ہفت روزہ

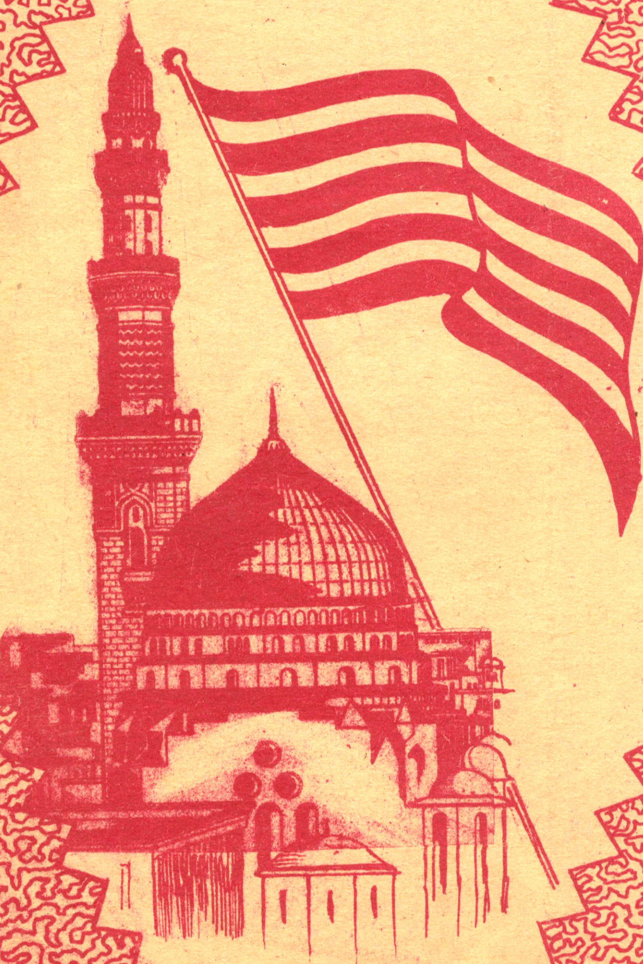
# ترجمانِ اسلام

لاہور


اسلامی اقدار کا نقیب

نگران اعلیٰ

مولانا مفتی محمود





**عزیزانِ گرامی!**

"اگر موجودہ زمانے میں توپ، بندوق، ہوائی جہاز کا استعمال مدافعت اعداء کے لیے جائز ہو سکتا ہے، باوجودیکہ قرون اولیٰ میں یہ چیزیں نہ تھیں تو مظاہروں قومی اتحادوں اور متفقہ مطالبوں کے جواز میں تامل نہ ہو گا۔ کیونکہ موجودہ زمانہ میں ایسے لوگوں کے لیے جن کے ہاتھ میں توپ، بندوق، ہوائی جہاز نہیں ہیں، یہی چیزیں ہتھیار ہیں"

**شیخ الہندؒ**

# منبع منشائے ربّ العالمین

عبدالحمید ہاپوڑی

مخاطبت:- اے محمدؐ! وجہِ افلاک و زمیں — اے محمدؐ! شاہکارِ بہتریں
اے محمدؐ! باعثِ دنیا و دیں — اے محمدؐ! نازِ عالم آفریں
اے محمدؐ! مبتدائے کائنات — اے محمدؐ! منتہائے مرسلیں
اے محمدؐ! مصدرِ رمز و وحی — اے محمدؐ! مہبط روح الامیں
اے محمدؐ! چارہ بیچارگاں — اے محمدؐ! رحمتُ اللعالمیں
اُسوۂ حسنہ، صراطِ مستقیم — رہبرِ تفسیرِ قرآنِ مبیں

مدحِ خاکِ پا کہاں میری مجال
جسکی مدحت وحیِ ربُّ العالمیں

ولادت:- اللہ اللہ خاکِ دارُالآمنہ — اللہ اللہ ذرۂ شہرِ امیں
رضاعت:- اور حلیمہ سعدیہؓ کے گھر کی خاک — طیبہ و بطحا کی خاکِ عنبریں
تربیت:- پھر ابی طالب کا وہ دارُالاماں — جسکے بام و در مددگار و معیں
تجارت:- اللہ اللہ شام کی ذریں خاک — قریہ قریہ اشکِ کانِ گوہریں
زوجیت:- اللہ اللہ خاکِ قصرِ طاہرہؓ — دلنشیں، صحبت نشیں، مسند نشیں
بعثت:- اللہ اللہ خاکِ راہِ کوہِ نور — اللہ اللہ ارضِ ایمان و یقیں
اللہ اللہ عظمتِ خاکِ حراء — منزلِ اقراء پیامِ اوّلیں

مکتبِ علمِ لدُنّی بسترِ حق
منبعِ منشائے ربُّ اللعالمیں

اشاعت:- اللہ اللہ خاکِ بالائے صفاء — ذرہ ذرہ واعظِ تبلیغِ دیں
اور طائف جنت ارضی کی خاک — جس سے شرمندہ گلاب و یاسمیں
مداوعت:- آہ وہ شعبِ ابی طالب کی خاک — باعزیزانِ دلِ اندوہ گیں
آہ وہ اعداء کے سہ سالہ ستم — آہ وہ بے آب و بے نانِ جویں
ہائے کیسی تھیں مقدس ہستیاں — پاک خُلق و پاک خُو و پاک طیں
ہجرت:- اللہ اللہ خاکِ فرشِ غارِ ثور — بارفیقِ خاص بوبکرؓ حزیں
ہجرتِ یثرب اور اس کی منزلیں — وہ قُبا وہ سجدہ گاہِ اوّلیں

مدنیت:- خانۂ ایوب انصاریؓ کی خاک — وہ مدینہ کی مقدس سرزمیں
عظمت اللہ حرمت فرشِ حرم — حجرہائے اُمّہاتُ المومنیں
عظمت اللہ خاکِ بیتِ اہلِ بیت — خاکِ بیتِ فاطمہ زہرا جبیں

وہ ریاضُ الجنت و ممبر کی گرد
گردِ صُفہ۔ بابِ جبریلِؑ امیں

غزوات:- اور وہ خاکِ بدر خاکِ اُحد — خاکِ خندق اور وہ خاکِ حنیں
خطابت:- عظمت اللہ خطبۂ حجُ الوداع — اللہ اللہ وہ ہجومِ سامعیں
چپہ چپہ گوش بر آواز تھا — ہو رہا تھا نشر جب منشورِ دیں
ہے فضا میں اب بھی صوتِ بازگشت — غائبیں سنتے ہیں جیسے حاضریں
کرچکی پورا رسالت اپنا کام — اب ہے تبلیغ اسکی فرضِ مسلمیں
رحلت:- عائشہ صدیقہؓ کی خاکِ حریم — از علالت تا بوقتِ آخریں

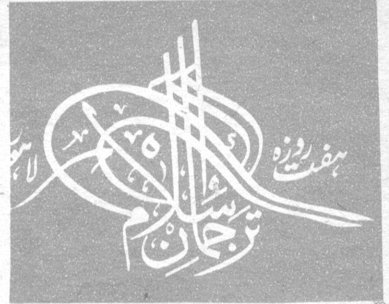
جس جگہ پائے مبارک رکھدیا
وہ زمیں ہم رتبۂ عرشِ بریں

مرتبت:- خاکِ پا چین و ملک کی آرزو — خاکِ پا۔ دنیا و دینِ مومنیں
خاکِ پا گنجینۂ صدق و صفا — خاکِ پا۔ مال و متاعِ عارفیں
خاکِ پا افشانِ جبینِ کہکشاں — خاکِ پا۔ غازہ برخسارِ زمیں
خاکِ پا ہے بوسہ گاہ قدسیاں — خاکِ پا ہے سرمۂ حورانِ عیں

اس کا ہر ذرہ شعاعِ طور ہے
اس کا ہر ذرہ سراجُ السالکیں

عرضداشت:- خاکِ تربت کا خدارا واسطہ — میرا مدفن ہو مدینہ میں کہیں
روسیہ ہوں۔ روسیہ بھی اسقدر — مُنہ دکھانے کے بھی میں قابل نہیں
میں ہوں بیکس تم پناہِ بیکساں — میں ہوں عاصی تم شفیعُ المذنبیں

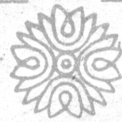
جنتِ ارضِ بقیع میں دفن ہو
دُور افتادہ حمیدِ کمتریں




جلد نمبر ۱۷  شمارہ نمبر۴

جمعہ ۲۱ ذیقعد ۶ نومبر ۱۹۷۴ء
دسمبر





بدلِ اشتراک

سالانہ ——— ۳۸ روپے
ششماہی ——— ۱۹ روپے
سہ ماہی ——— ۹/۵۰
فی پرچہ
۷۵ پیسے

اداریہ

اکرام القادری

# غدار کون ہے؟

محترم بھٹو صاحب ان دنوں پنجاب کے طوفانی دورے پر نکلے ہوئے ہیں۔ اقتدار میں آنے کے تین سال بعد بھٹو صاحب کو اس طوفان خیز دورے کی کیوں ضرورت پیش آئی؟ دورے کے لیے یہی وقت کیوں مناسب سمجھا گیا؟ یہ دورہ واقعی دورہ ہے یا بھٹو صاحب کے وزرا کرام کی فوج ظفر موج کا باہمی مقابلہ؟ دورے پر جو بے تحاشا اور بے دریغ دولت لٹائی جا رہی ہے وہ پیپلز پارٹی کے بیت المال سے ادا کی جا رہی ہے یا غریب قومی خزانے سے؟ دورے سے غریب عوام کی شام غم صبح امید سے بدلی یا تاریکی کے بادل مزید گہرے ہو گئے؟ دورۂ رواں کس حد تک کامیاب رہا اور کہاں تک ناکام؟ یہ اس قسم کے سوالات ہیں جن کے جوابات سے پاکستان کا ہر شہری بخوبی واقف و آشنا ہے یہ بھی زیر بحث نہیں کہ ملک کے مفلوک الحال اور گرانی گزیدہ عوام اپنے "محبوب" وزیر اعظم کے زریں رقم خیالات سننے کے لیے کتنی تعداد میں آئے؟ کہاں کہاں سے آتے؟ یا بالفاظ صحیح تر لائے گئے اور جامہ تلاشی کے کن کن مرحلوں سے گزر کر جلسہ گاہ تک پہنچے؟

ع
میں کہاں کہاں نہ پہنچا تری دید کی لگن میں

دیکھنا یہ ہے کہ محترم بھٹو صاحب نے اپنے اس صبا رفتار اور طوفان انگیز دورے میں کیا ارشاد فرمایا۔ مجموعی طور پر اب تک مختلف علاقوں میں کی گئی تقریروں اور خطابات سے ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ زیرک وزیر اعظم کا روئے سخن اکثر و بیشتر حزب اختلاف کے مقتدر رہنماؤں کی طرف رہا ہے اپنے دورے میں انھوں نے مسلسل و بہیم اپوزیشن رہنماؤں کو غداری کے تمغے عطا کیے دورۂ بہاولپور ڈویژن کے موقع پر بقول ولی خان انہیں "ولی خولیا" ہو گیا تھا، لیکن نہ جانے انہیں اپنی ان تقریروں کے منفی اثرات کا خود اندازہ ہو گیا یا کسی مشیر با تدبیر نے حضور کی اس طرف توجہ منعطف کرائی کہ حضور والا تبار آپ کی ان تقریروں سے تو بالواسطہ ولی خان کی مقبولیت میں اضافہ ہو رہا ہے آپ یہ کیا کر رہے ہیں بھٹو صاحب نے فوراً رخ بدلتے ہوئے غیر حکومتی پارٹیوں کے تمام رہنماؤں کو ایک ہی سانس میں وطن دشمن، غیر ملکی ایجنٹ، بھارت کے خیر خواہ، سازشی، کانگرسی اور غدار کہنا شروع کر دیا۔ حتیٰ کہ اس سلسلے میں اس حد تک آگے بڑھے کہ رامے صاحب کی دانشوری اور کوثر و سلسبیل میں دھلی ہوئی زبان بھی شرما کے رہ گئی، ساہیوال آتے آتے بھٹو صاحب کی پاکیزگی زبان اور تطہیر بیان کا یہ عالم تھا کہ گوہر بار ہوتے:

"یہ لوگ صرف میری حکومت پر تنقید کرتے ہیں، لیکن کسی قومی مسئلے کے حل کے لیے کوئی تعمیری تجویز پیش نہیں کرتے، تجویز پیش کرنے کے لیے دماغ کی ضرورت ہوتی ہے، منہ پھاڑ کر "بکواس" کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔" ملاحظہ فرمائیں شہ دماغی کا۔ کیا تعمیری اور شستہ و رفتہ زبان میں تنقید ہو رہی ہے

مجھی سے سب یہ کہتے ہیں کہ رکھ نیچی نظر اپنی
کوئی ان سے نہیں کہتا نہ نکلو یوں عیاں ہو کر

اس ملک کی ہمیشہ سے یہ روایت رہی ہے کہ اورنگ اقتدار پر متمکن ہونے والا بڑے سے بڑا غدار جب تک اقتدار سے باہر کے لوگوں کو غدار نہ کہے اس کی حب الوطنی و ملک دوستی پر مہر تصدیق ثبت نہیں ہوتی محترم بھٹو صاحب بھی اقتدار میں آنے کے بعد سے اب تک اس روایت کو حرز جاں بنائے ہوتے ہیں۔ شاید وہ اس خوش فہمی میں مبتلا ہیں کہ یہی روایت اقتدار پر متمکن رہنے کی کلید ہے۔ وہ بلا تکان متواتر اپنے سیاسی حریفوں کو ملک دشمن اور غدار کے لقب سے ملقب کر رہے ہیں، لیکن یہ عجیب بات ہے کہ جب وہی غدار مطالبہ کرتے ہیں کہ ہم پر غداری کے جرم میں مقدمہ چلاؤ تو منقار زیر پر اور آئیں بائیں شائیں۔ جن لوگوں سے متعلق تائیس سال کے طویل عرصے سے شور برپا ہے "غدار غدار" انہیں اب تک یہ توفیق نہ ہوئی کہ ملک کو دو لخت کر سکیں۔ لیکن بزعم خویش مدعیان حب الوطنی سے متعلق عام چرچا ہے کہ ملک دو نیم کرنے میں ان کا ہاتھ ہے معمولی سی بھی سیاسی سوجھ بوجھ رکھنے والا وہ کون سا فرد ہے جو یہ نہیں جانتا کہ وفادار کون ہے اور غدار کون ہے۔

وفاؤں کے ہزاروں دے چکا ہوں امتحاں اب تک
مگر وہ ہیں کہ اس پر بھی ہیں مجھ سے بدگماں اب تک

# سیرت فاروق کا ایک ورق

مولانا حامد میاں

آج ہر شخص عدل فاروقی کو یاد کرتا ہے۔ اور جو بھی نیا نیا برسرِ اقتدار آتا ہے آپ کا نام لیتا ہے ایسے لوگ آپ کی سیرت پاک کے صرف ایک اصول پر ہی نظر ڈالیں اور اندازہ کریں کہ کیا وہ ایک اصول پر بھی عمل کرنے کی اہلیت رکھتے ہیں۔

كان عمر بن الخطاب اذا نهى الناس عن شئ دخل الى اهله او قال جمع فقال انى نهيت عن كذا وكذا و الناس انما ينظرون اليكم نظر الطير الى اللحم فان وقعتم وقعوا وان هبتم هابوا وانى والله لا اوتى برجل منكم وقع فى شئ مما نهيت عنه الناس الا اضعفت له العقوبة لمكانه منى فمن شاء فليتقدم ومن شاء فليتأخر۔

مصنف عبدالرزاق ص ۳۴۳ ج ۱۱

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب لوگوں کے لیے کسی چیز کی ممانعت فرمایا کرتے تھے تو اپنے گھر والوں کے پاس (انہیں جمع کر کے) تشریف لے جایا کرتے تھے۔ پھر فرماتے تھے کہ میں نے فلاں فلاں چیز کو ممنوع قرار دے دیا ہے اور لوگوں کی نظریں تم پر ایسی رہتی ہیں جیسے (شکاری) پرندہ گوشت پر نظر رکھتا ہے۔ اگر تم نے یہ کام کیا تو وہ بھی کر گزریں گے اور اگر تم ڈرتے رہے تو وہ بھی ڈرتے رہیں گے اور قسم خدا کی اگر تم میں سے کسی شخص کو میرے سامنے اس کام کو کرنے کی بنا پر لایا گیا کہ جسے میں نے ممنوع قرار دیا ہے تو میں اسے اپنا قریبی ہونے کی وجہ سے ڈبل سزا دوں گا۔ اب جس کا جی چاہے آگے بڑھے اور جس کا جی چاہے باز رہے۔

واقعہ یہی ہے کہ جو عمل حکام کا ہوتا ہے وہی رعایا کرتی ہے اور رعایا کی ساری خرابی یا اصلاح، حکام کی اپنی خرابی اور اصلاح پر موقوف ہوتی ہے۔ نیز حکام کے اہل خانہ یا رشتہ دار جو راہ اختیار کرتے ہیں، اس کا بھی رعایا پر قریب قریب یہی اثر پڑتا ہے۔ اس واسطے آپ نے اس حکم میں شدت اختیار فرمائی۔

سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اپنے خاص اہل خانہ کو افاہیت اور خوش عیشی سے روکتے رہتے اور بعض دفعہ تو ان کے لیے اس چیز کی بھی ممانعت فرما دیتے تھے جس کی باقی رعایا کو اجازت ہوتی تھی۔ اس سلسلہ میں یہ واقعہ ملاحظہ ہو:

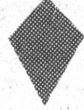
دخل عبيد الله بن عمر على اخيه عبد الله فقرب له ثريدا عليه لحم فقال عبيد الله ما انا باكله حتى تجعلوا فيه سمنا فقال عبد الله اما علمت ان اباك قد نهى عن ذلك فقال القوم اطعم اخاك قال فضع فيه سمنا فبينا هم على ذلك دخل عمر فاهوى بيده فاكل لقمة ثم رفع رأسه فنظر فى وجوه القوم ثم رفع الدرة فضرب عبيد الله ثم اراد ان يضرب الجارية فقالت ما ذنبى انا مأمورة فخرج ولو يقل لعبد الله شيئا۔

عبدالرزاق ص ۸۸ ج ۱۱

حضرت عمر کے صاحبزادے عبیداللہ اپنے بھائی حضرت عبداللہ کے پاس گئے۔ انہوں نے کھانے (کی تواضع کی اور) ان کے آگے ثرید بڑھایا جس پر گوشت تھا (ثرید یعنی شوربے میں چوری ہوئی روٹی) عبیداللہ نے کہا کہ میں یہ اس وقت تک نہیں کھاؤں گا کہ جب تک اس میں گھی نہ ڈالو گے۔ اس پر عبداللہؓ نے فرمایا کہ کیا تمہیں نہیں خبر کہ تمہارے والد صاحب نے اس سے منع کر رکھا ہے۔ کچھ لوگوں نے کہا کہ اپنے بھائی کو (جس طرح وہ چاہتے ہیں اسی طرح کا) کھانا بنا دو۔ انہوں نے اس میں گھی ڈالا۔ ابھی اسی حال میں تھے کہ حضرت عمر تشریف لے آئے۔ ہاتھ بڑھا کر ایک لقمہ تناول فرمایا (اور سمجھ گئے کہ اس میں گھی ڈالا گیا ہے) پھر سر اٹھا کر لوگوں کے چہروں پر نظر ڈالی۔ پھر کوڑا اٹھا کر عبیداللہ کے مارا پھر ارادہ کیا کہ باندی کو بھی ماریں۔ اس نے کہا کہ میرا کیا قصور ہے مجھے تو حکم دیا گیا تھا۔ پھر حضرت عمرؓ تشریف لے گئے اور عبداللہؓ کو کچھ نہیں کہا۔

# عالمی غذائی بحران

مرسلہ : ڈاکٹر احمد حسین کمال ،



**مغرب** کی صنعتی ریاستوں اور تیسری دنیا کے ملکوں کی اقتصادی ترقی میں جو فرق ہے اور جس میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے اسی کے پیش نظر پچھلے دنوں روم میں اقوام متحدہ کے زیر اہتمام عالمی غذائی کانفرنس منعقد ہوئی ۔ یہاں صرف اتنا بتانا کافی ہوگا کہ مغرب کے صنعتی ملکوں اور تیسری دنیا کے ممالک کی فی کس آمدنیوں میں ۳ ہزار ڈالر سے بھی زیادہ کا فرق ہے اور اس میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے ۔ انتہائی ترقی یافتہ ممالک میں غذائی اشیاء کا یومیہ فی کس صرف چار پونڈ ہے جب کہ ترقی پذیر ملکوں میں یہ صرف سوا پونڈ کے برابر ہے ۔ اقوام متحدہ کے اعداد و شمار کے مطابق نوع انسانی کی ایک تہائی سے نصف تعداد بھوک کا شکار ہے ۔ یا اس کا انتہائی کم غذائیت بخش اشیاء پر گزارہ ہے ۔

عالمی غذائی کانفرنس میں جو مسائل زیر بحث آئے وہ بلاشبہ پیچیدہ ہیں اور ان مسائل سے متعلق مندوبین کی جانب سے اختلاف رائے کا اظہار کیا گیا ۔ اس سلسلے میں امریکہ نے جو موقف اپنایا ہے وہ خصوصی توجہ کا مستحق ہے امریکی وزیر خارجہ ہنری کسنجر نے کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے یہ مشورہ دیا کہ ساری دنیا میں غذائی اشیاء کی پیداوار میں اضافہ کیا جائے اور ایک عالمی غذائی کونسل قائم کی جائے تاکہ اس مسئلے کو عالمگیر سطح پر حل کیا جا سکے ۔ آیئے دیکھیں کہ ان تجاویز کے پس پردہ کیا عزائم ہیں ۔ یہ بات تو سبھی جانتے ہیں کہ امریکہ مغربی دنیا کے تمام ملکوں سے زیادہ غذائی امداد دیتا ہے ۔ دوسری باتوں کے علاوہ امریکہ اپنے بیرونی غذائی امداد کے قانون کے تحت ترقی پذیر ملکوں کو امداد دیتا ہے بہت سے ماہرین اقتصادیات کی رائے ہے کہ امریکہ کی غذائی امداد سستے داموں اناج فروخت کرنے کا ایک ڈھکا چھپا طریقہ ہے ۔ اس طرح امریکہ کو ترقی پذیر ملکوں میں اپنی مورچہ بندیاں مستحکم کرنے ان کی معیشتوں پر اپنے کنٹرول میں اضافہ کرنے اور غذائی امداد کو اپنی معیشت کی ترقی میں رونما ہونے والی سرد بازاری کے رجحان کو ختم کرنے کے ایک اقدام کے طور پر استعمال کرنے میں مدد ملتی ہے ۔

دیکھنا یہ ہے کہ مغرب سے ملنے والی غذائی امداد ترقی پذیر ملکوں کے اہم مسائل کو حل کرنے میں ممد و معاون بھی ثابت ہوتی ہے یا نہیں اکثر اوقات تو یہ امداد ترقی پذیر ملکوں کی منڈیوں کے نظام کو درہم برہم کر کے رکھ دیتی ہے ۔ اور وہاں درآمدات کا رجحان بڑھنے لگتا ہے اس کے سبب غذائی اشیاء کی پیداوار میں کمی ہونے لگتی ہے ۔ چنانچہ ہندوستان میں گزشتہ عشرے کے دو سالوں میں امریکی غذائی امداد کے سبب گیہوں کی پیداوار ایک کروڑ ۲۰ لاکھ ٹن سے گھٹ کر ۹۰ لاکھ ٹن رہ گئی ۔

اس کے علاوہ غذائی امداد کے نتیجے میں ترقی پذیر ممالک بیرونی قرضوں کے شکنجے میں زیادہ سے زیادہ جکڑتے چلے جاتے ہیں ۔ بہرحال اہم ترین بات یہ ہے کہ امداد کی شکل میں غذائی اشیاء کا حصول زراعت کے میدان میں سماجی اور اقتصادی تغیرات کی جگہ لے لیتا ہے ۔

امریکہ کی موجودہ تجاویز کا جائزہ ان باتوں کو سامنے رکھ کر لینا چاہیے جو پہلے کہی جا چکی ہیں ۔ امریکی تجاویز سے یہ بات واضح ہو گئی ہے کہ غذائی اجناس کی پیداوار میں اضافے کی تمام تر ذمہ داری امریکہ کے سر ہے اور غذائی اجناس کی پیداوار میں اضافے کے منصوبوں کی تکمیل کے اخراجات کا تمام تر بوجھ تیل پیدا کرنے والے ملکوں کے کاندھوں پر ڈال دیا گیا ہے ۔ چنانچہ یہ تجاویز اس خود غرضانہ پالیسی کو اپنائے رکھنے کا نتیجہ ہیں جس کا مقصد دوسرے ملکوں کو مدافعتی کا بحرا بنا کر اپنے ملک میں افراط زر اور بیروزگاری جیسے مسائل کو حل کرنا ہے ۔

موجودہ صورت حال سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے ترقی پذیر ملکوں کو غذائی امداد دینے پر تمام تر انحصار کرنے کی بجائے ان کو درپیش اہم مسائل کو حل کرنے کا طریقہ اختیار کیا جائے ۔ سب سے زیادہ توجہ اس بات پر دی جائے کہ خود ترقی پذیر ملکوں کی غذائی اجناس کی پیداوار میں اضافہ ہو ۔ اس مقصد کے حصول کے لیے یہ ضروری ہے کہ ان ممالک میں زرعی اصلاحات کی جائیں ۔ نت نئی اور بے دریے اقتصادی اصلاحات کا سلسلہ ختم کیا جائے اور زراعت اور دیگر پیداواری شعبوں کی نشو و نما میں تناسب روا رکھا جائے ۔

# عرب افریقی اتحاد

**افریقہ** اور مشرقی عرب کی ریاستوں میں سامراج اور نو آبادیاتی نظام سے مکمل آزادی حاصل کرنے کی جو عام جدوجہد جاری ہے اس کی بنیاد پر ان قوتوں کی یک جہتی کو استحکام اور وسعت حاصل ہو رہی ہے ۔

اسرائیلی جارحیت پسندوں نے ۱۹۶۷ء میں جب عرب ریاستوں کے خلاف جنگ چھیڑی تھی اسی وقت سے جارحیت کی شکار قوموں کے دفاع کے لیے افریقی اتحاد کی تنظیم کی، جس کے ممبروں میں مصر بھی شامل ہے۔ پُرعزم جدوجہد پر گذرتے ہوئے سال کے ساتھ شدید سے شدید تر ہوتی جا رہی ہے۔ افریقی اتحاد کی تنظیم کا مطالبہ ہے کہ اسرائیل مقبولیت پسندی کا ثبوت دے اور مقبوضہ عرب علاقے خالی کر دے۔ افریقی اتحاد کی تنظیم کے یہ فیصلے عرب قوتوں کی جدوجہد کی اخلاقی اور سیاسی حمایت کے اعتبار سے بے پناہ اہمیت کے حامل ہیں سربراہانِ مملکت اور حکومت دسویں اجلاس میں، جو مئی ۱۹۷۲ء میں ادیس ابابا میں ہوا تھا، افریقی اتحاد کی تنظیم نے ایک بار پھر اسرائیلی جارحیت کی سخت مذمت کی تھی۔ اور اپنے ایک باضابطہ عمومی اعلان میں کہا تھا کہ وہ مستقبل میں بھی عرب جمہوریہ مصر اور دیگر عرب ممالک کی اس وقت تک مؤثر طور پر حمایت کرتی رہے گی۔ جب تک کہ ان کے علاقے، جن پر اسرائیل نے جون ۱۹۶۷ء میں جارحیت کے ذریعہ غاصبانہ قبضہ کر لیا تھا، مکمل طور پر آزاد نہیں ہو جاتے۔

افریقی عرب یکجہتی کا اظہار اکتوبر ۱۹۷۳ء کی فوجی کارروائیوں کے دوران ایک بار پھر ہوا۔ جنگ اکتوبر کے فوراً بعد ہی افریقی اتحاد کی تنظیم اور بہت سے افریقی ممالک نے اسرائیلی جارحیت کے خلاف عرب قوموں کی جدوجہد میں مدد دینے کے لیے متعدد عملی اقدامات کیے۔

افریقی اتحاد کی تنظیم کے تمام ممبر ممالک نے عرب قوموں کے ساتھ یکجہتی کی علامت کے طور پر وسطِ نومبر (۱۹۷۳ء) تک اسرائیل سے اپنے سفارتی تعلقات منقطع کر لیے تھے۔

یہاں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ اس وقت بعض سامراجی حلقوں نے بہت سی افریقی ریاستوں پر دباؤ ڈالا تاکہ وہ مشرقِ وسطیٰ کے مسئلے کے حل کے سلسلے میں اپنا طرزِ عمل تبدیل کر لیں۔ انہوں نے افریقیوں کو یہ کہہ کر ڈرایا کہ عرب ممالک کی جانب سے تیل کی ترسیل پر مکمل پابندی یا کم مقدار میں فراہمی سے بہت سی بڑی بڑی بین الاقوامی اجارہ داریوں کے مفادات متاثر ہوں گے۔ اور اس کے باعث افریقی ممالک پر بھی جو تیل کی دولت سے محروم ہیں، منفی اثرات مرتب ہوں گے۔ لیکن اس کے باوجود بعض افریقی ممالک نے اپنی اقتصادی خودمختاری کے تحفظ کی خاطر اجارہ داریوں کی مطلق العنانی کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔

اس وقت عرب ریاستوں نے افریقی ممالک کی حمایت کی۔ گذشتہ سال دسمبر میں تیل برآمد کرنے والے عرب ممالک کی تنظیم کے اجلاس میں ان ممالک کی تیل کی وزارتوں کے وزیروں نے افریقی اتحاد کی تنظیم کے رُکن ملکوں کے ساتھ اپنی یکجہتی کی توثیق کی اور انہیں تیل فراہم کرنے کا فیصلہ کیا۔

چنانچہ افریقی اور عرب ریاستوں کے درمیان تعلقات کی روشنی ہی سے ایسے امکانات پیدا ہوئے کہ تیل کی مغربی اجارہ داریوں کے توسط کے بغیر ہی عرب تیل براہِ راست ملنا شروع ہو گیا۔

افریقی اتحاد کی تنظیم کے رُکن ملکوں کے سربراہان مملکت اور حکومت کے گیارھویں اجلاس (جون ۱۹۷۴ء) میں مشرقِ وسطیٰ کے بحران کو ختم کرنے کے سلسلے میں تنظیم نے اپنے لیے ایک واضح مؤقف وضع کیا۔ اجلاس میں اس امر کی نشاندہی کی گئی کہ منصفانہ اور پائیدار امن کی بنیاد درج ذیل اصولوں پر ہونی چاہیئے۔

(۱) مقبوضہ عرب علاقوں سے جن پر اسرائیل نے جون ۱۹۶۷ء میں غاصبانہ قبضہ کر لیا تھا۔ اسرائیلی مسلح افواج کی مکمل واپسی

(۲) یروشلم کے عرب علاقے کی واپسی

(۳) فلسطینی عوام کے حق خود اختیاری کی تکمیل اور مشرقِ وسطیٰ سے متعلق اقوامِ متحدہ کی قراردادوں کی تعمیل۔

سوویت یونین چین اور سوشلسٹ برادری کے دیگر ممالک نے ہمیشہ ہی عرب اور افریقی قوموں کی حمایت کی ہے۔ افریقی اتحاد کی تنظیم کے گیارھویں اجلاس کے شرکاء کے نام ن۔ وی پڈگورنی اور ا۔ن کوسیجن نے جو پیغام بھیجا تھا۔ اس میں کہا گیا تھا۔ سوویت یونین قومی اور سماجی آزادی کی جدوجہد میں مصروف قوموں کے ساتھ یکجہتی کو استحکام بخشنے سے متعلق اصول پر ثابت قدمی سے عمل کر رہا ہے اور ان کی امداد و حمایت کر رہا ہے۔

## بقیہ: شہر شہر سے

قرارداد میں مطالبہ کیا گیا ہے کہ بلوچستان کا مسئلہ سیاسی
پر حل کیا جائے سیاسی راہنماؤں کو رہا کر کے مقدمات واپس لیے
فوج کو بیرکوں میں واپس بلایا جائے اور ۷۰ء کے انتخابات کی بن
اکثریتی حکومت کو بحال کیا جائے

۴۔ چوتھی قرارداد میں موجودہ طریقِ انتخاب کو غلط قرار
ہوئے کہا گیا ہے کہ اس طریقِ انتخاب میں منتخب ہونے والا
عام طور پر اپنے حلقہ کی اکثریت کی بجائے اقلیت کا نمائندہ ہ
اور اکثریت کے ووٹ دوسرے متعدد ناکام امیدواروں میں تق
جاتے ہیں اس لیے ضروری ہے کہ آئین میں ترمیم کر کے جماعتی
انتخاب کو اپنایا جائے جس میں افراد کی بجائے جماعتوں کو ووٹ ڈا
جائیں اور ہر جماعت کو پورے ملک میں حاصل ہونے والے ووٹ
تناسب سے اسمبلی میں نشستیں مخصوص کر دی جائیں۔

قرارداد میں کہا گیا ہے کہ گذشتہ ضمنی انتخابات میں حکمران
کی دھاندلیوں کے پیشِ نظر یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ موجودہ حک
کے تحت کسی بھی سطح پر غیر جانبدارانہ انتخابات کا انعقاد ناممکن
اور عوام کا الیکشن پر اعتماد ختم ہوتا جا رہا ہے اس لیے حکو
کا فرض ہے کہ وہ عوام کو آزادانہ انتخابات کے سلسلہ میں اطمی
جو صرف اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ انتخابات سپریم کورٹ
جج کی نگرانی میں ہوں اور الیکشن کا عملہ مستقل ہو تاکہ انتظامی
افسران الیکشن پر اثرانداز نہ ہو سکیں۔

۵۔ پانچویں قرارداد میں مدارس عربیہ اور مساجد کو سرکار
تحویل میں لینے کی تجویز کی شدید مذمت کرتے ہوئے اعلان کیا
ہے کہ مدارس عربیہ اور مساجد کی آزادی کے خلاف کسی بھی قسم
اقدام کو مداخلت فی الدین سمجھا جائے گا اور اس کی پوری قوت
مزاحمت کی جائے گی قرارداد میں امور مذہبیہ کی وزارت
قیام کو پاکستان کے بنیادی مقصد کے منافی قرار دیا گیا ہے۔

۶۔ چھٹی قرارداد میں وزیراعظم بھٹو کے آبائی گاؤں گڑھی خ
بھٹو میں ایک مسجد کو گرا کر دوسرے مقاصد کے لیے جگہ کو استعم
کرنے کی تجویز کی شدید مذمت کرتے ہوئے مطالبہ کیا گیا ہے ک
تجویز فی الفور واپس لے کر عوام کو مطمئن کیا جائے۔

ساتویں قرارداد میں مسٹر احمد رضا قصوری پر قاتلانہ حمل
شدید مذمت کرتے ہوئے ان کے والد محترم کی شہادت پر گہر
رنج و غم کا اظہار کیا گیا ہے قرارداد میں مسٹر قصوری کے سا
گہری ہمدردی کا اظہار کرتے ہوئے ان کے شہید والد کے لیے

سیّد نفیس الحسینی

# حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس سرہٗ

## معاصر تذکرہ نگاروں کی نظر میں

**قاسم العلوم** والخیرات حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی قُدِّس سرّہٗ کے نام نامی سے ہر اہل دانش و بینش والہانہ عقیدت رکھتا ہے۔ آپ کی نابغۂ روزگار شخصیت صرف برصغیر پاک و ہند ہی کے لئے نہیں بلکہ پورے عالم اسلام کے لیے ایک خاص نعمت خداوندی شمار کی گئی ہے۔ آپ کی سب سے بڑی یادگار دارالعلوم دیوبند کی صورت میں شہرۂ آفاق ہے۔ جس سے آج بھی چشمہ ہائے علوم و فیوض پھوٹ رہے ہیں اور ایک جہانِ بسیط اس سے سیراب ہو رہا ہے۔ اگرچہ حضرت اقدس نانوتوی قدس سرہٗ مسکینیٔ طبع اور اخفاءِ حال میں بے نظیر تھے۔ لیکن اہلِ نظر ان کے علوِ مقام سے بخوبی آگاہ تھے جن میں خود ان کے پیر و مرشد شیخ العرب والعجم قطب الاقطاب عالم حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی قدس اللہ العزیز (م ۱۳۱۰ھ) سر فہرست ہیں۔ ان کا یہ قول فیصل ہے کہ "اللہ تعالیٰ اپنے بعض بندوں کو ایک لسان عطا فرماتا ہے۔ چنانچہ حضرت شمس تبریزؒ کے واسطے مولانا رومیؒ کو لسان بنایا تھا اور مجھ کو مولانا محمد قاسم لسان عطا ہوئے ہیں۔ اور جو میرے قلب میں آتا ہے مولوی صاحب اس کو بیان کر دیتے ہیں۔" (انوار العاشقین مولانا محمد مشتاق احمد انبیٹھوی ص۳۰)

معاصر علماء و عرفاء میں حضرت نانوتویؒ یگانۂ روزگار اور فردِ فرید تھے۔ حضرت حاجی صاحب قدس سرہٗ نے "ضیاء القلوب" میں ان کے مقام بلند سے اپنے متوسلین و منتسبین کو آگاہ کیا اور دعاءِ خاص فرمائی۔ فرماتے ہیں:

"ہر کس کہ ازیں فقیر محبت و عقیدت و ارادت دارد مولوی رشید احمد صاحب سلّمہٗ و مولوی محمد قاسم سلّمہٗ را کہ جامعِ جمیع کمالات علوم ظاہری و باطنی اند بجائے من راقم اوراق بلکہ بدارج فوق از من شمارند اگرچہ بظاہر معاملہ برعکس شد، کہ اوشاں بجائے من و من بمقامِ اوشاں شد، صحبتِ اوشاں را غنیمت دانند کہ ایں چنیں کساں دریں زمان نایاب اند و از خدمت بابرکتِ ایشاں فیضیاب بودہ باشند و طریق سلوک کہ دریں رسالہ نوشتہ شد در نظر شاں تحصیل نمایند، ان شاء اللہ تعالیٰ بے بہرہ نخواہند ماند۔ اللہ تعالیٰ در عمرِ شاں برکت دہاد و از تمامی نعماءِ عرفانی و کمالات قربیت خود مشرف گرداناد و بمراتبات عالیات رساناد و از نورِ ہدایت شاں عالم را منور گرداناد و تاقیامت فیض اوشاں جاری داراد بحرمۃ النبی وآلہ الامجاد۔"

(ضیاء القلوب صفحہ ۶۰
مطبع مجتبائی دہلی)

اس مضمون کی پہلی قسط میں "حدائق الحنفیہ" سے اقتباس پیش کیا جاتا ہے۔

**حدائق الحنفیہ**: مؤلفہ مولانا فقیر محمد جہلمی، سن تالیف ۱۲۹۷ھ (۱۸۸۰ء)

"حدائق الحنفیہ" جیساکہ نام سے ظاہر ہے حضرات علماء و فقہاءِ حنفیہ رحمہم اللہ تعالیٰ کا اردو زبان میں نہایت مستند و مشہور تذکرہ ہے۔ اس وقت مطبع نامی منشی نولکشور لکھنؤ کا چھپا ہوا نسخہ پیشِ نظر ہے یہ ۲۲×۲۹/۸ سائز کے ۴۹۶ صفحات پر پھیلا ہوا ہے۔ فاضل مؤلف نے خاتمۃ الکتاب میں اپنے مختصر حالات تحریر فرمائے ہیں۔

مولانا فقیر محمد جہلمی بن حافظ محمد سفارش ۱۲۷۰ھ میں موضع چتن میں جو شہر جہلم (پنجاب) سے دو میل کے فاصلے پر بجانب غرب واقع ہے۔ پیدا ہوئے آپ نے اپنے زمانہ کے علماءِ اجلّ سے تعلیم پائی۔ چند اساتذہ کے اسماءِ گرامی یہ ہیں:

(۱) صدر الافاضل حضرت مولانا مفتی محمد صدر الدین آزردہ صدر الصدور دہلی تلمیذ سراج الہند حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز محدّث دہلوی قدس سرہٗ

(۲) فقیہِ اجل مولانا نور احمد جہلمی تلمیذ فقیہِ فاضل محدّث کامل حضرت مولانا رحمۃ اللہ کیرانوی مہاجر مکیؒ

(۳) فقیہِ فرید الدہر حضرت مولانا کرم الٰہی لاہوری المتوفی ۱۲۸۲ھ۔

(۴) علامۂ وقت حضرت مولانا حافظ ولی اللہ لاہوری، خطیب جامع مسجد شاہی لاہور (م ۱۲۹۶ھ)

حدائق الحنفیہ میں مولانا جہلمی نے حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی کا ذکر نہایت حقیقت پسندانہ کیا ہے۔ ملاحظہ ہو:

"مولوی محمد قاسم بن شیخ اسد علی بن غلام شاہ بن محمد بخش بن علاء الدین بن محمد فتح بن محمد مفتی بن عبدالسمیع بن مولوی ہاشم نانوتوی۔ ۱۲۴۸ھ میں پیدا

# رنگِ محفل

وہ دلبر پھر ستم کوشی پہ مائل ہوتا جاتا ہے
زمانہ اُس کی بے مہری کا قائل ہوتا جاتا ہے

نہ تھا غم دل میں جب تک کچھ حقیقت ہی نہ تھی دل کی
یہ دل اپنا کسی کے فیض سے دل ہوتا جاتا ہے

نگاہیں بار بار اُٹھتی ہیں سوئے ناخدا اپنی
نظر سے دُور اُمیدوں کا ساحل ہوتا جاتا ہے

رواں ہے قافلہ منزل کی جانب یوں تو کہنے کو
مگر ہر گام پر کم شوقِ منزل ہوتا جاتا ہے

وہ پروانے کہاں ہیں جان دیں جو شمعِ گریاں پر
یہ کیسی شب ہے پھیکا رنگِ محفل ہوتا جاتا ہے

خرد بھی کیا خرد ہے جب شریعت کی نہیں تابع
وہ ایماں کیا جو زندیقی کا قائل ہوتا جاتا ہے

خمار و خمر سے بڑھتی ہے رونق بزمِ جاناں کی
وہ کیا وعدے تھے کیسا رنگِ محفل ہوتا جاتا ہے

میں حیراں ہوں کہ اب اقبال اس محفل کا کیا ہوگا؟
ہر اِک میخوار و ملحد اس میں شامل ہوتا جاتا ہے

(اقبال احمد صدیقی)

# اُٹھو وطن کی فضا بدل دو

اِدھر نہیں ہے ہماری منزل غلط ہے یہ راستہ بدل دو
جو رہنما مانتے نہیں ہیں تو بڑھ کے وہ رہنما بدل

یہی روش جو رہی تمہاری غضب خدا کا بھڑک اُٹھے گا
فرنگیانہ چلن بدل دو یہ بیہودیانہ ادا بدل د

سفینہ ملت کا ہے بھنور میں لگے گا یہ کس طرح کنارے
اگر ہیں یہ ناخدا نکمے، مسافرو ناخدا بدل د

یہ رنگ رلیاں یہ بادہ نوشی یہ رقص و نغمہ یہ عیش کوشی
یہی نشاں ہیں تباہیوں کے یہ حال بہرِ خدا بدل د

اُٹھے کوئی حشر اس سے پہلے امین تم کو پکارتا ہے
اُٹھو بھی اے حق کے پاسدارو اُٹھو وطن کی فضا بدل دو

سید امین گیلانی

مولانا ابوالکلام آزاد

# دین اور دُنیا

ہم کو مسلمانوں کی گذشتہ جدوجہد ترقی پر بہت کچھ لکھنا ہے، کیونکہ جب تک پچھلی غلطیاں سامنے نہ آئیں۔ آیندہ کے لیے ان سے پرہیز ممکن نہیں لیکن یہ ایک مستقل موضوع بحث ہے۔ یہاں صرف یہ عرض کرنا ہے کہ آج کل کانفرنسوں، مجالس اور اجتماعات میں علمبرداران سیاست وخطبائے بزم آرائیوں کے لیے جو موضوع اختیار کر رکھے ہیں ان میں برسوں کا پامال مضمون دین و دنیا کی تفریق اور عدم تفریق ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اسلام دین کو دنیا سے الگ نہیں کرتا، بلکہ کہتا ہے کہ دین و دنیا کے حسن عمل کا نام ہے۔ اس میں شک نہیں کہ بہت سے اقوال کی مثل یہ قول مثل بھی صحیح ہے، لیکن سوال یہ ہے کہ اعمال کا کیا حال ہے۔ وہی مدعیان اصلاح جو اس صداقت کو زبانی دہراتے ہیں ان کی اپنی زندگی اور ان کے اپنے جماعتی اعمال میں بھی اس کا کچھ اثر ہے یا نہیں؟

**"حالت یہ ہے کہ خود ان لیڈران کرام نے دین و دنیا کے اندر تفریق کی ایسی جھیل حائل کر دی ہے جو روز بروز دونوں کناروں کو دُور تر کر رہی ہے"** اور ان کو کسی طرح ملنے نہیں دیتی۔ انہوں نے قومی اصلاح و ترقی کی جو تحریک شروع کر رکھی ہے اس کو دین سے اس طرح الگ کر دیا گویا نہ پیروان اسلام ان کے مخاطب ہیں اور نہ قوم مسلم سے انہیں خود کوئی واسطہ ہے۔ ان کی زندگی، ان کے اعمال، ان کی آواز، ان کی نظریں، ان کی مثالیں، ان کے پیش نظر نمونے بلکہ ان کے تمام افعال و کردار یکسر اسلام سے بیگانہ دراز فرق تا بقدم دین سے ناآشنا، انہوں نے ہمیشہ دنیا کو دین سے الگ دیکھا اور جب کبھی قدم اٹھایا تو دنیا کی طرف۔ حالانکہ اگر دین کی طرف بڑھتے تو دنیا خود ان کی طرف دوڑتی۔

یعلمون ظاھرا من الحیوٰۃ
الدنیا وھم عن الاخرۃ ھم
غافلون ۳۰ - ۶

یہ لوگ صرف دنیا کی ظاہری دلفریبوں ہی کو جانتے ہیں اور آخرت کو بالکل بھولے ہوتے ہیں۔

دین سے یہ الحاد آمیز بیگانگی یہاں تک بڑھ گئی ہے کہ آج اگر کوئی صدائے قرآنی بلند کی جاتی ہے تو ایک دوسرے کا منہ تکنے لگتا ہے کہ یہ کیسی آواز ہے؟ بہت سے اس خیال پر متعجب ہیں کہ مسلمانوں کی پولٹیکل پالیسی بھی تعلیم قرآنی پر مبنی ہو۔ (رایت المنافقین یصدون عنك صدودا) بہتوں کو یہ کہنے سے نفرت اور غصہ کا بخار چڑھ آتا ہے کہ مسلمانوں کے لیے جو کچھ ہے قرآن ہی میں ہے اور قرآن ہی سے ہے۔ (قل موتوا بغیضکم) اور بہت سے ہیں جو فرعون کے جادوگروں کی طرح خوفزدہ ہو رہے ہیں کہ کہیں دین کا عصائے موسوی ثعبان مبین بن کر ان کو نگل نہ جائے۔

رایت الذین فی قلوبھم مرض
ینظرون الیك نظر المغشی
علیه من الموت۔

(۴۷: ۳۹)

جن لوگوں کے دل مرض ضلالت سے مریض ہو رہے ہیں، تم ان کو دیکھو گے کہ وہ تمہاری طرف ایسے خوفزدہ ہو کر دیکھ رہے ہیں جیسے کسی پر موت کی بے ہوشی طاری ہو اور اس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں۔

ہم کسی کی نیت کی نسبت زبان کھولنے کا حق نہیں رکھتے، لیکن واقعات اور نتائج بسا اوقات نیت کی پروا نہیں کرتے اور حکم نتائج ہی پر مرتب ہوتا ہے۔ ہم اس کو تسلیم کرتے ہیں کہ آج کل کے کارفرما طبقے میں بہت سے لوگ اعتقاداً ملحد نہ ہوں، لیکن اس اعتقاد کو لے کر کیا کیجیے کہ عملاً سر سے پاؤں تک ان کی جس شئے کو دیکھیے حسن الحاد کی دلربائیوں کا یہ حال ہے کہ

کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا ایں جاست

آؤ! ان باتوں سے قطع نظر کیجیے۔ ہمارے اعتقاد میں سب سے بڑی یزدان فراموشی اور الحاد پرستی تو یہی ہے کہ ایک گروہ مسلمانوں کی اصلاح کا دعویٰ کرے اور پھر اپنے تمام کاموں کے لیے اسلام کو اور اس کے خدا کو چھوڑ کر انسانی خیالات کے اصنام وطواغیت کو اپنا حکم بنائے۔

الم تر الی الذین یزعمون
انھم اٰمنوا بما انزل الیك وما
انزل من قبلك یریدون
ان یتحاکموا الی الطاغوت
وقد امروا ان یکفروا به
ویرید الشیطان ان یضلھم
ضلالا بعیدا ؕ (۴: ۶۰)

اے پیمبر ان لوگوں کو نہیں دیکھتے جو اس زعم باطل میں پڑے ہیں کہ ہم مومن و مسلم ہیں، حالانکہ وہ کیونکر مومن ہو سکتے ہیں جب کہ ان کا حال یہ ہے کہ خدا کو

چھوڑ کر چاہتے ہیں کہ وہ دوسروں کو اپنا حَکَم بنائیں۔ حالانکہ انہیں حکم دیا گیا تھا کہ خدا کے سوا دوسروں کی اطاعت سے انکار کر دیں۔ اصل یہ ہے کہ شیطان چاہتا ہے کہ انہیں نہایت سخت درجے کی گمراہی میں مبتلا کر دے۔

"جن باتوں کو ہمارے لیڈر اسلام سے ناآشنا رہ کر کہتے رہے اگر چاہتے تو انہی باتوں کو وہ اسلام کی زبان سے ادا کر سکتے تھے" معاشرت میں ضروری تبدیلی کے خواہاں تھے یا اور جتنی باتیں قوم کے آگے پیش کرنا چاہتے تھے ان میں کون سی شے ایسی ہے جس کے لیے قرآن کریم اور تعلیم الٰہی کو سامنے نہیں رکھ سکتے تھے؟ پھر کسی دعوت کے لیے یہ طریقہ موثر تھا کہ انسانوں کی نظیر دی جائے۔ یا یہ کہ خدا کا حکم ہے؟ غور کیجیے میں کیا کہہ رہا ہوں؟

اگر واقعی یہ سچ ہے کہ مسلمانوں کی دین اور دنیا دونوں ایک ہیں۔ اگر یہ واقعہ ہے کہ وہ قرآن نامی ایک کتاب کے پیرو ہیں۔ اس میں کوئی دھوکہ نہیں کہ خدا کا ایک برگزیدہ رسول تھا جس کے پیش کیے ہوئے احکام ان کے لیے ذریعہ فوز و فلاح ہیں تو ہمارے لیڈروں کی حالت اس سے بالکل متضاد ہونی تھی جو آج ہم بدبختی سے دیکھ رہے ہیں۔ وہ ایک ایسی جماعت ہوتی جس کے دل اور زبان دونوں میں اسلام ہوتا جن کا ہاتھ کسی حالت میں قرآن سے خالی نہ ہوتا، بلکہ قرآن کی گرفت سے اس طرح رُک جاتا کہ کسی دوسری شے کو اٹھانے کی مہلت ہی نہیں پاتا۔ وہ از سرتا پا دین کی تصویر ہوتے اور یکسر تعلیم الٰہی کا عملی نمونہ۔ ان کی ہر صدا دین میں ڈوبی ہوتی اور ہر قدم دین ہی کی جانب اٹھتا۔ ان کی زبان کھلتی تو دین کے لیے اور قلم حرکت کرتا تو دین کے نام پر۔ وہ ہر بہتر سے بہتر خیال اور ہر عمدہ سے عمدہ بات قوم کے آگے پیش کرتے مگر جو کچھ کہتے دین کے واسطے سے اور جو کچھ لکھتے مصحف کی سیاہی سے۔

وہ جب ہمارے سامنے آتے تو گو ان کے سروں پر ہیٹ ہوتا، مگر زبان پر قرآن ہوتا۔ ہمیں اس کی چنداں پرواہ نہ تھی کہ ان کے سر پر کیا ہے؟ مگر اس سے کیونکر غفلت کریں کہ ان کی زبان پر کیا ہے۔

لیکن ایسا ہوتا تو کیوں کر ہوتا۔ دین و دنیا کی عملی تفریق نے قوم کی اصلاح و ارشاد کی باگ ایک ایسی جماعت کے ہاتھ میں دیدی، جو اگر ایسا کرنا بھی چاہتی تو نہیں کر سکتی۔ الحاد ان کے دل میں چپکے چپکے کام کر رہا تھا اور دماغ دین سے ناآشنا تھا۔ ان کو جب قرآن اور جب اسلام کی خبر ہی نہ تھی اس کو قوم کے آگے پیش کرتے تو کیا کرتے؟

## رُوح کی تلاش سے پہلے اُٹھ بیٹھنے کی سعی

پہلے کہہ چکا ہوں کہ اگر آپ چاہتے ہیں کہ ایک سرد لاش اٹھ کر بیٹھ جائے تو یہ کوشش لاحاصل ہوگی کہ اس کے ہاتھ پر گرم گرم تیل کی مالش کریں یا سر کو سینکنا شروع کر دیں۔ بے شک ہاتھ ایک نہایت کارآمد اور ضروری عضو ہے، مگر صرف اس کو گرم کرنے سے زندگی کی حرارت پیدا نہیں ہو سکتی۔ اصلی شے روح ہے جس وقت روح جسم میں عود کر آئے گی، خود بخود تمام اعضا کام دینے لگیں گے۔ جسم ملت کا بھی یہی حال ہے۔ سیاست، خلق، تمدن، تعلیم، اصلاح، معاشرت یہ تمام چیزیں اس کے لیے نہایت ضروری اور کارآمد اعضا ہیں لیکن ان سب کی زندگی رُوح پر موقوف ہے۔ میں نے کبھی لکھا تھا کہ قومی زندگی کے لیے دنیا میں دو ہی چیزیں ہیں، پالٹیکس اور دین۔ مگر یہ کہنا باقی ہے کہ اور قوموں کے لیے صرف پالٹیکس حیات بخش ہو تو ہو، مگر مسلمانوں کے لیے جن کا سارا کاروبار حیات دین ہی کے دم سے ہے۔ وہ رُوح دین کے سوا اور کوئی نہیں ہو سکتی۔

یاایہا الذین آمنوا استجیبوا للہ وللرسول اذا دعاکم لما یحییکم واعلموا ان اللہ یحول بین المر[ء و] قلبہ وانہ الیہ تحش[رون]

مسلمانو! اللہ اور اس کے رس[ول کی] پکار سنو! وہ تم کو بلاتا ہے [...] اندر زندگی کی رُوح پھونک[...] اور یقین کرو کہ اللہ انسان او[ر اس] کے ارادوں میں جب چاہتا [ہے] آڑے آجاتا ہے۔ یہ بھی یاد ر[کھو کہ] آخر ایک دن تم سب اس [کے حضور] کھڑے کیے جاؤ گے۔

ہمارے ملکی بھائی اپنے اندر [...] سیاست کی رُوح پیدا کر کے زندگ[ی] پیدا کر سکتے ہیں، اسی طرح اور قومیں بھ[ی ...] کی تو کوئی علیحدہ قومیت نہیں جو کسی خاندان یا زمین کے جغرافیائی تقسیم [...] ہو۔ ان کی ہر چیز دین یا بالفاظ مناس[ب ...] کاروبار صرف خدا سے ہے۔ پس جب [تک ...] اپنے تمام اعمال کی بنیاد دین کو نہیں [...] اس وقت تک نہ ان میں دین کی ر[وح ...] اور نہ وہ اپنے بکھرے ہوئے شیرازے [...] گے۔ آج دنیا "قوم" اور "وطن" کے نا[م ...] سے جو تاثیر رکھتی ہے، مسلمانوں کے لیے و[ہ] "اسلام" یا "خدا" کے لفظ میں ہے۔ یا[...] "نیشن" کا لفظ گو ایک شخص ہزار[...] حرکت پیدا کر سکتا ہے، لیکن آپ[...] اس کے مقابلے میں اگر کوئی لفظ ہے [تو] "اسلام" ہے۔

## تشخیص کے بعد

اگر تشخیص[...] آسان [...] امراض کی دریافت کے بعد آیندہ کے [...] صحت میں کوئی دشواری نہیں اور اگر [...] آرزو کے ساتھ مرض کے حصول کی خواہ[ش] نہیں ہو سکتی تو مسلمانوں کے لیے ان کی [...] مقصود کا سوال بالکل صاف ہے [...] ہی ہے۔ آج تک ان کی تمام کوشش[یں] بار آور نہ ہوئیں کہ ان کو آگ کی تلاش تھی[...]

کہ چنگاریوں کو پھونکتے تاکہ آگ بھڑکتی اور تنور گرم ہو جاتا، لیکن وہ ہمیشہ راکھ کے ڈھیر کو پھونکتے رہے۔ ان کی محنت میں کوئی شک نہیں، مگر اس کو کیا کیجیے کہ راکھ کو پھونکنے سے آگ پیدا نہیں ہوسکتی۔

ونار لو نفخت بها اضاءت
ولكن انت تنفخ فی الرماد

ضلالت اعمال کی یہی مثال ہے جو قرآن حکیم نے دی ہے اور فی الحقیقت قرآن کے سب سے زیادہ گہرے معارف اس کی مثالوں ہی میں ہیں

مثل الذین کفروا بربهم اعمالهم کرماد ن اشتدت به الریح فی یوم عاصف لا یقدرون مما کسبوا علی شیء ذالك هو الضلال البعید (۱۴:۲۱)

جن لوگوں نے اپنے پروردگار کی اطاعت سے انکار کیا۔ ان کے کاموں کی مثال ایسی ہے، گویا راکھ کے ڈھیر ہیں کہ آندھی کے دن اس کو ہوا اُڑا لے گئی۔ اسی طرح جو کام ان لوگوں نے کیے ہیں، ان میں سے کچھ بھی ان کے ہاتھ میں نہیں آئے گا۔ یہی گمراہی پرلے درجے کی گمراہی ہے۔

مسلمانوں میں تعلیمی رفتار اب تک کیوں سُست ہے۔ پولٹیکل آزادی کے ولولے کیوں ان میں نہیں اُبھرے؟ ایثار و قربانی کی مثالیں کیوں ناپید ہیں۔ سحر نگار اہلِ قلم اور آتش بیان مقرر کیوں نہیں پیدا ہوتے؟ ان سب کا جواب یہی ہے کہ ایک مردہ لاش سامنے تھی۔ لیڈروں نے اس کے اعضا تقسیم کر لیے۔ کسی نے تلوا سہلایا اور کسی نے سر سینکنا شروع کر دیا، مگر رُوح کی کسی کو فکر نہیں ہوئی۔ پھونکنے کے لیے بہتوں نے اپنے چہروں کو چولہے سے ملا دیا، مگر جتنی پھونکیں ماریں وہ سب یا تو چولہے کی باہر کی مٹی اڑاتی رہیں، یا اندر کی جمع شدہ راکھ کو بکھیرتی رہیں آگ بھڑکتی تو کیونکر بھڑکتی اور تمام اعضا کام دیتے تو کیونکر دیتے؟ بدبختی ہے کہ اتنی صاف بات بھی کسی کی سمجھ میں نہیں آتی؟

## خلاصہ مطالب

ہم نے گذشتہ تین نمبروں میں جو خیالات ظاہر کیے ہیں، بہتر ہوگا اگر ان کو بطور حاصل بیان کے یہاں عرض کر دیں۔

۱۔ موجودہ تغیر خیالات ایک قیمتی فرصت ہے اگر ایک دیوار ٹیڑھی کھڑی کر دی گئی ہو اور آپ اس کے نقص کو محسوس بھی کر لیں، تاہم کسی بنی ہوئی چیز کا گرانا اور پھر از سر نو بنانا اس درجہ مشکل کام ہوتا ہے کہ ممکن ہے برسوں تک آپ کو نئی دیوار کھڑی کرنے کی مہلت نہ ملے۔ لیکن اگر طوفان یا بارش کے ناگہانی حملے سے خود بخود وہ گر جائے تو پھر آپ کو نئی دیوار بہرحال بنانی ہی پڑے گی۔ یہی حال مسلمانوں کی قدیمی پالیسی کا ہے۔ وہ خود بخود گر چکی ہے۔ نئی پالیسی کی دیوار بنانے کے لیے اب پچھلی دیوار گرانے کی ضرورت نہیں، صرف اس کی ضرورت ہے کہ اب جو بنیاد رکھی جائے وہ درست ہو۔

۲۔ مسلمانوں کے لیے ہر شئے ان کے دین میں ہے، پس اگر وہ آج کل پولٹیکل زندگی اپنے پیدا کرنا چاہتے ہیں تو اس کی جگہ اس شئے ہی کو کیوں نہ پیدا کر لیں جو نہ صرف پالٹیکس، بلکہ قومی اعمال کی ہر شاخ کو زندہ کر دے؟

**۳۔ قرآن کریم صرف نماز اور وضو کے فرائض بتلانے ہی کے لیے نازل نہیں ہوا بلکہ وہ انسانوں کے لیے ایک کامل و اکمل قانون فلاح ہے جس سے انسانی زندگی کی کوئی شے باہر نہیں۔"** پس مسلمانوں کی ہر وہ پالیسی اور ہر وہ عمل جو قرآنی تعلیم پر مبنی نہ ہوگا ان کے لیے کبھی موجب فوز و فلاح نہیں ہو سکتا۔

۴۔ مسلمانوں کا تمام کاروبار خدا سے ہے اور خدا کے سوا جو کچھ ہے وہ ان کے لیے اصنام و طواغیت یعنی بتوں کا حکم رکھتا ہے۔ پس جب تک وہ خدا کے آگے نہیں جھکیں گے۔ دنیا کی کوئی چیز ان کے آگے نہیں جھکے گی۔

۵۔ ان کو اپنا نصب العین صرف "اسلام" بنانا چاہیے اور ساری طاقت اس میں صرف کرنی چاہیے کہ وہ ہر طرف سے ہٹ کر صرف احکام اسلام کے مطیع و منقاد ہو جائیں۔ "اسلام" ہی ان کے لیے پالٹیکس کی راہ کھولے گا، تعلیم کا حکم دے گا۔ اخلاق و خصائل میں تبدیلی پیدا کرے گا اور وہ تمام باتیں جن کو ترقی یافتہ قوموں میں دیکھ کر وہ للچا رہے ہیں۔ نقصانوں اور مضرتوں سے صاف ہو کر ان میں پیدا ہو جائیں گی۔ ان هذه تذكرة فمن شاء اتخذ الی ربه سبیلا۔

ڈاکٹر فدا حسین

# اسلامی نظام ہی کیوں؟

دنیا میں ہمیشہ تھوڑے سے لوگ ایسے ضرور موجود رہے ہیں جن کی زندگی کا مقصد صرف اپنا پیٹ بھر لینے اور رات کو آرام سے پڑ کر سو رہنے سے بہت بالاتر رہا ہے۔ ایسے اولوالعزم اور بلند خیال لوگوں نے اپنی عمر کا بیشتر حصہ غور و فکر میں گذارا ہے اور آخری دم تک وہ اسی کوشش میں لگے رہے ہیں کہ اپنی غیر معمولی عقل کی مدد سے قدرت کا کوئی نیا بھید معلوم کریں اور دنیاء انسانی کو ترقی کی دو ایک منزلیں طے کرا کے اس سے زیادہ بلند مقام پر پہونچا دیں کہ جہاں وہ اس وقت تھی۔ وہ ہر وقت غور کرتے رہتے ہیں اور مدت ہائے دراز کے صبر آزما مشاہدہ اور تجزیہ کے بعد جب کسی نتیجہ پر پہونچتے ہیں تو دنیا ان کی عقلوں کے کارنامے دیکھ کر حیران رہ جاتی ہے۔ تاریخ ان کا ذکر انتہائے ادب واحترام کے ساتھ کرتی ہے اور دنیا میں ان کا نام ہمیشہ کے لیے اَن مٹ اور غیر فانی بن جاتا ہے۔ یہی وہ "بزرگ" ہستیاں ہیں جنہیں حکیم اور فلاسفر کہا جاتا ہے اور جن کے احسانات سے ہم بھی سبکدوش نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ ان کے تجربوں کے نتیجے سینہ اور سفینہ میں برابر چلے آ رہے ہیں اور آج بھی دنیا ان کی دریافت کی ہوئی حقیقتوں سے مستفید ہو رہی ہے۔

یہ لوگ اپنی کوششوں کو اسرار قدرت کی گرہ کشائی ہی تک محدود نہیں رکھتے، بلکہ انسانی تہذیب و تمدن کے متعلق بھی بہتر سے بہتر اصول اور ضابطے بنا کر دنیا کے سامنے پیش کرتے رہتے ہیں، تاکہ ان پر عملدرآمد کر کے انسان بہتر طریق پر اپنی زندگی بسر کر سکے اور دوسرے حیوانات سے اپنے آپ کو ممتاز کر کے صحیح معنوں میں اشرف المخلوقات کہلانے کا مستحق بن جائے۔ انسان ایک مدنی الطبع حیوان ہے اور بستیاں بنا بنا کر اور آپس میں مل جل کر رہنا اس کی فطرت میں داخل ہے۔ لیکن دوسرے کے ساتھ خوش گوار تعلقات قائم کر کے امن و سکون کی زندگی بسر کرنا صرف اسی صورت میں ممکن ہے کہ جماعت کا ہر فرد ہر دوسرے شخص کو اسی قدر عزت کا مستحق سمجھے کہ جس عزت کا وہ خود اپنے لیے متمنی ہے اور اس زرّیں اصول پر اس کا عمل ہو کہ جو بات تمہیں اپنی ذات کے لیے پسند نہ ہو اسے دوسروں کے لیے پسند نہ کرو۔

## شخصی حکومت

کم و بیش سو برس سے بعض بڑے بڑے اربابِ فکر اس دُھن میں لگے ہوئے ہیں کہ انسانی جماعت کے لیے کچھ ایسے قاعدے اور کچھ ایسے اصول بنا دیں کہ جن پر عمل کرنے سے تمام انسان نہایت امن و سکون کی زندگی بسر کر سکیں۔ آپس کی جنگ اور خونریزی کا خاتمہ ہو جائے۔ مسرت اور اطمینان قلب ہر شخص کو حاصل ہو۔ اور یہ دنیا صحیح معنوں میں بہشت کا نمونہ بن جائے مدت ہا مدت کے غور و خوض کے بعد وہ اس نتیجے پر پہونچے کہ اگر کبھی ایسی حالت رونما ہو سکتی ہے تو صرف سلطنتوں کی اصلاح ہی سے رونما ہو سکتی ہے۔ اس لیے انہوں نے اپنی تمام تر توجہ حکومت کے طرز اور ملک کے نظم و نسق کی جانب منعطف کر دی۔ ان کی نگاہوں کے سامنے حکومتوں کے بہت سے مختلف نمونے موجود تھے۔ وہ دیکھتے تھے کہ وحشی اور غیر مہذب جماعتوں میں اب بھی یہی طریق رائج ہے کہ چھوٹے چھوٹے قبیلے الگ الگ رہتے ہیں اور قبیلے میں جو طاقت ور شخص ہوتا ہے وہ حکمران بن جاتا ہے۔ ایسی قومیں بھی ان کے پیش نظر تھیں جن میں شخصی حکومت کا طریقہ رائج تھا اور کوئی ایک خاندان جسے کسی زمانے میں کسی اتفاق کی بدولت یا اپنی کوشش کے ذریعے سے بادشاہی میسر آ گئی تھی۔ نسلاً بعد نسلاً حکومت کرتا چلا آ رہا تھا۔ اس قسم کے خود مختار فرمانرواؤں کے متعلق تاریخ انہیں یہ حالات بھی سنا چکی تھی کہ وہ ایک انسانی فرد کہ جسے قسمت تختِ سلطنت تک پہونچا دے، خدائی دعوے کرنے لگتا ہے اور ملک کا انتظام اور قوم کی خدمت کرنے کے بجائے وہ اپنے آپ کو اپنی تمام رعایا کی جان و مال کا حقیقی مالک خیال کرتا ہے۔ اس کے ایک اشارے پر صدہا انسانوں کے سر قلم کر دیے جاتے ہیں۔ اس کے غصہ کی ایک چھوٹی سی لہر پچاسوں خاندانوں کو دم کے دم میں تباہ و برباد کر دیتی ہے۔ اسی جیسے بلکہ اکثر قابلیت کے لحاظ سے اس سے بھی بہتر انسان سینکڑوں اور ہزاروں کی تعداد میں آ کر اس کے سامنے سجدے کرتے ہیں۔ اس کی زبان ملک کے قانون کی کتاب ہوتی ہے اور حق و انصاف صرف اس کے اپنے دل کی دوسری خواہشوں کا دوسرا نام ہوتا ہے وہ جو کچھ چاہتا ہے کرتا ہے، جس طرح چاہتا ہے رہتا ہے اور اس کا یہ اعتقاد اور ایمان ہوتا ہے کہ ملک میں جتنے بھی انسان ہیں وہ سب صرف اس کی ذات کی خدمت کے لیے پیدا کیے گئے ہیں

## جمہوریت

شخصی حکومت سے بہتر ایک اور طریقہ بھی ان

حکما۔ کے پیش نگاہ تھا جسے جمہوری طرز حکومت کہا جاتا ہے اور جس میں ملک کے کسی ایک فرد کو باقی باشندوں پر کوئی خاص اختیار حاصل نہیں ہوتا۔ بلکہ پورے ملک کو ایک بہت بڑا سا گھر اور پوری قوم کو ایک بہت بڑا کنبہ فرض کر کے اس کنبہ میں سے تھوڑے سے لائق اور عقلمند آدمیوں کو چن لیا جاتا ہے اور ملک کے تمام انتظامات اسی منتخبہ جماعت کے ہاتھ میں دے دیتے جاتے ہیں۔ گویا اس طرح اس طرز حکومت کا منشا یہ ہے کہ اپنے ملک کا انتظام خود قوم کے اپنے ہاتھ میں ہو۔ جو قانون بھی بنے وہ باشندگان ملک کی اپنی مرضی سے بنے اور کسی ایک شخص کو دوسروں پر غیر معمولی اختیارات حاصل نہ ہونے پائیں۔

یہ طریقہ حکمرانی یقیناً بہت کچھ اطمینان بخش ہو سکتا تھا، اگر اس میں خرابیاں نہ پیدا ہو جاتیں، لیکن حکماء اور عقلاء نے دیکھا کہ "فساد فی الارض" اور "سفک دم" کے شیدائی انسانوں نے اس بظاہر معقول طریقہ حکومت میں بھی کچھ ایسی صورتیں نکال ہی لیں کہ جن کی بدولت ایک آدمی نہ سہی چند آدمی باقی ماندہ اہل ملک کے آقا اور مالک بن جائیں اور مٹھی بھر صاحبان زر کی غلامی تمام ارباب قوم کو کرنی پڑے۔ ایسے تمام ملکوں میں کہ جہاں حکومت کا طرز جمہوری تھا دولت مندوں اور سرمایہ داروں نے اپنی قابلیت، اپنی حب قوم اور اپنے علم وفضل کی بنا پر نہیں بلکہ محض اپنی دولت کے زور سے اپنے آپ کو ان انجمنوں کا ممبر منتخب کرانا شروع کیا کہ جن کے ہاتھوں میں ملکوں کی حکومت کی باگ دی جاتی تھی اور اس طرح تھوڑے ہی عرصے میں تقریباً ہر جمہوری سلطنت فی الاصل سرمایہ داروں کی حکومت بن گئی جن کا مقصد اس کے سوا اور کچھ نہ تھا کہ جس طرح بھی بنے غریبوں اور مزدوروں کو دونوں ہاتھوں سے لوٹا جائے اور اس قسم کے قانون بنا دیئے جائیں کہ جن کی وجہ سے سرمایہ داروں کا زور کبھی ٹوٹ نہ سکے۔ یہ حالت کہ جس نے ایک ہی قوم کے مختلف افراد میں اس قدر فرق پیدا کر دیا کہ ہر سو آدمیوں میں سے کم سے کم نوے تو معقول اور کافی غذا کو ترسنے لگے اور دس اس قدر مرفہ الحال بن گئے کہ ان کے خزانوں میں روپیہ رکھنے کو جگہ تک نہ رہی کسی طرح بھی پسندیدہ اور خوشگوار نہ ہو سکتی تھی۔ اس لیے قوم کی خاموشی کے ساتھ خدمت کرنے والے فلاسفروں کو پھر اپنے دماغوں پر زور دینا پڑا۔

حکیم ہوں یا فلاسفر بہر حال وہ انسان ہی ہوتے ہیں۔ اور بایں ہمہ عقل و تدبیر دلوں میں انکے بھی وہی جذبات موجزن رہتے ہیں جو ہر عام اور معمولی انسان کے دل میں قدرت نے پیدا کر دیئے ہیں۔ سرمایہ داروں نے جب اپنی فریب کاریوں سے ایک نہایت اچھے طرز حکومت کو بھی ظلم و استبداد کا آلہ بنا لیا اور اس طرح فلاسفروں کی محنت پر پانی پھیر دیا تو شاید انہیں بھی غصہ آگیا اور انہوں نے تنگ آکر اب یہ فتویٰ صادر کر دیا کہ سرمایہ اور سرمایہ دار دونوں کو ختم کر دو تاکہ نہ بانس رہے نہ بانسری بجے۔

## کمیونزم

ان کا مقصد یہ تھا کہ ایک مرتبہ جب ہر ایک قوم اپنے سرمایہ داروں کو فنا اور ان کے سرمایہ کو تباہ کر دے گی تو شاہ و گدا اور امیر و فقیر سب ایک سطح پر آجائیں گے سچی مساوات کا دور دورہ ہوگا اور حقیقی اخوت قوموں میں رونما ہو جائے گی لیکن اپنے جوش میں وہ اس بات کو بھول گئے کہ اس طرح جو سرمایہ دار فنا ہوں گے وہ بھی تو بہر حال انسان اور اسی کنبہ کے افراد ہیں۔ نیز یہ کہ جب تک نظام کار نہ بدلے اور لوگوں کی ذہنیت میں تبدیلی نہ پیدا ہو اس وقت تک یہ امکان پھر باقی رہے گا کہ غریب لوگ آج کے سرمایہ داروں کو لوٹ کر کل خود سرمایہ دار بن بیٹھیں اور پھر انسانی قومیں اسی لعنت اور اسی مصیبت میں گرفتار ہو جائیں۔

بہر حال فتویٰ صادر ہوا اور بالشویزم اور کمیونزم کے نام سے جو نیا مسلک قائم ہوا تھا اس کی صدا پر سب سے پہلے روس نے لبیک کہا جہاں حقیقتاً سرمایہ داروں نے غریبوں کی زندگی دشوار کر رکھی تھی۔ یہ نیا مسلک جس نے ناداروں اور غریبوں کو موقع دیا تھا کہ اپنے صدہا سال کے دبے ہوئے جذبات انتقام کو دل کھول کر پورا کر لیں۔ ایک طوفان بے تمیزی تھا جس نے تمام ملک میں اس سرے سے اس سرے تک ایک آگ سی لگا دی۔ بڑے بڑے شان دار مکان جلا کر خاک سیاہ کر دیئے گئے۔

بہت سے ناز ونعم میں پلے ہوئے نواب اور امیر یا تو تہ تیغ ہوئے یا جیل خانوں میں بھر دیئے گئے۔ لاکھوں کروڑوں روپے کی مالیت کا سامان تعیش نذر آتش ہو گیا اور خود زار روس کو جو اس ملک کا خود مختار فرماں روا تھا بھاگ کر اپنی جان بچانا پڑی۔ سڑکوں پر کشتوں کے پشتے اور گلیوں میں خون کے نالے دیکھ کر ارباب غور وفکر کے دل دہل گئے اور بدقت ان تمام خونریزیوں کو بند کرا کے انہوں نے اشتراکیت یا کمیونزم کی ایک اصلاح پذیر فنی صورت ایجاد کی اور اس کا نام سوشلزم یا اشتمالیت رکھا اور بہترین انسانی دماغوں کا ایجاد کردہ یہ

## سوشلزم

مذہب اب عالمگیر ہر دلعزیزی حاصل کرتا جا رہا ہے کمیونزم کی طرح یہ بھی سرمایہ داری کا تو شدید ترین مخالف ہے، لیکن یہ اس بات کا حامی نہیں ہے کہ موجودہ سرمایہ داروں سے دولت چھین کر غرباء پر تقسیم کر دی جائے وہ ایک ایسا نظام کار پیش کرتا ہے جس کے مطابق آہستہ آہستہ ایک عرصہ دراز میں وہ تمام املاک اور جائیداد جو سرمایہ داروں اور دولتمندوں کے قبضہ میں ہے۔ ان کے قبضہ سے نکل کر حکومت وقت کی ملکیت میں آجائے۔ سوشلزم اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ اللہ کی زمین پر لوگ الگ الگ بطور خود قبضہ کر کے بیٹھ جائیں اور نوبت یہاں تک پہونچ جائے کہ ایک نواب صدہا بیگھے زمین پر قابض ہو درانحالیکہ خود اسی ملک کے باشندے اور اس کے ہموطن بھائی اتنی سی جگہ سے بھی محروم ہوں کہ جہاں وہ سر چھپا سکیں، وہ اس بات کا حامی ہے کہ ملک کی تمام زمین پوری قوم کی ملکیت ہو اور حکومت وقت اس میں ہر شخص کو بحصہ مساوی اس کی ضرورتوں کے لائق دیدے اور باقی ماندہ زمین کاشت کرنے کے لیے لوگوں کو دے دی جائے، لیکن اس کی پیداوار

باقی آئندہ

مولانا سمیع الحق صاحب ــــ قسط نمبر۔ ۲

# شیعہ نصاب کی علیحدگی؟

- ملکی اتحاد و سالمیت
- قومی یک جہتی، اور
- ملّی یگانگت کے لیے خطرہ

ان کا عقیدہ ہے۔ تمام صحابہ کرام (بشمول حضرت علیؓ و امامین ہمامین حسنؓ وحسینؓ) عظمت و حرمت اور ان کی تعدیل و تقدیس جزءِ ایمان سمجھتے ہیں اور اس کے ساتھ اہلِ بیعت اطہار و ابرار کی قدر و منزلت ان کے ہاں لازمۂ ایمان ہے۔ الغرض یہاں مثبت ہی مثبت پہلو ہے۔ منفیانہ ذہنیت کی کوئی بات نہیں۔ امام عالی مقام حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی حیثیت سُنی نصاب میں خلیفہ راشد کی ہے۔ حضرات اہلِ بیعت ہمارے لیے اسوۂ حسنہ ہیں۔ فاطمہ بتولؓ کی حرمت پر مرمٹنا سعادتِ دارین اور کسی صحابیؓ کی بے ادبی کرنا ضیاعِ ایمان، حبطِ اعمال اور دائمی خسران کا باعث سمجھتے ہیں۔ الغرض سُنی نصاب میں اہل بیعت اور آئمۂ اطہار کی ادنیٰ گستاخی کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ اس نصاب میں نہ کسی کو غاصب کہا جاتا ہے نہ کسی کے حق کو غصب شدہ، نہ کوئی ظالم ہے نہ مظلوم۔ سب ابرار و اخیار مقرب بارگاہ خداوندی "رحماءُ بینھم" کے مصداق ہیں۔

موجودہ مروجہ نصابِ دینیات کی کسی کتاب کے کسی ورق اور کسی سطر سے شیعہ حضرات کی دل آزاری ہو جانے کی مثال نہیں دی جا سکتی۔

اب شیعہ معتقدات کو دیکھیے تو وہ سراسر اس کے خلاف ہیں۔ ان کے علمی اور دینی کلچر میں چند ایک حضرات کو چھوڑ کر صحابہؓ کی اکثریت اسلام اور ایمان کے معیار پر بھی پوری نہیں اُترتی (معاذ اللہ)، صدیقؓ و فاروقؓ اور عثمان غنیؓ سمیت سب اجلۂ صحابہؓ (نعوذ باللہ) غاصب اور ظالم تھے۔ حضرت عائشہؓ اور دیگر اُمہات المؤمنین (رضی اللہ تعالیٰ عنہن) کے بارے میں ان کے عقائد کو کوئی غیور مسلمان برداشت نہیں کر سکتا۔ خلافت میں ان کے ہاں صدیقؓ و فاروقؓ کی حیثیت ثانوی ہے۔ تقیہ (بوقت ضرورت جھوٹ) اور مُتعہ (مرد و زن کی باہمی رضامندی سے شہوت رانی) ان کے دین کے بنیادی اصول ہیں۔ صحابہ کرامؓ پر تبرّا بازی ان کا جزو دین ہے۔ عقیدۂ "بدا"، قرآن کی ابدیت اور شریعت کے ناقابل تنسیخ ہونے کی سراسر نفی کرتا ہے اور اس طرح بیسیوں دیگر مسائل اور نظریات ہیں جو ان کے ہاں دین کی اساس کا درجہ رکھتے ہیں۔ یہاں ان نظریات کی اچھائی یا برائی کی بحث میں پڑے بغیر ہم یہ پوچھنے کا حق رکھتے ہیں کہ کیا اہل سنت والجماعت مسلمان اپنے نونہال بچوں کے لیے ایک ہی سکول کے ایک ہی کلاس کی ایک ہی صف میں ایسی کتابوں۔ ایسے لٹریچر اور ایسے اساتذہ کے ایسی تعلیمات کو ایک لمحہ کے لیے گوارا کر سکیں گے؟ جس میں ان کے محبوب اسلافؓ پر تبرا بازی کی گئی ہو۔ ان کو ظالم اور غاصب کہا گیا ہو۔ تقیہ اور متعہ کی شکل ان کے بچوں کی اخلاقی اور سماجی حالت کی تباہی کا خطرہ ہو۔ آگ اور پانی کا یہ نباہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے۔ کیا اس طرح ہر سکول کے اکثریتی طبقہ کے بچوں کے دینی جذبات اور معتقدات مجروح نہیں ہوں گے۔ اس کا نتیجہ جس ہولناک اور بھیانک شکل میں ظاہر ہو سکتا ہے۔ چند وقتی مصلحتوں کی خاطر اس سے صرفِ نظر کرنا کہاں کی دانشمندی ہے۔ حقیقت بین نگاہوں کا یہ اندازہ بجا طور پر درست ہے کہ اس طرح پوری سُنی آبادی شیعہ معتقدات کی لپیٹ میں آسکتی ہے اور شیعہ عقائد کی بنیادی اور اہم سطح پر اشاعت اور تبلیغ کا دروازہ کھولا جا رہا ہے۔ پوری امت مسلمہ چند گنے چنے حضرات کی خاطر شیعیت کی بھینٹ نہیں چڑھائی جا سکتی۔

اگر شیعہ حضرات یہ کہتے ہیں کہ ہمارے نصاب میں ایسی کوئی دلآزار بات نہیں ہوگی تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر نصاب کی علیحدگی کی ضرورت کیا رہ جاتی ہے۔ اگر نصاب ایسے اختلافی مسائل اور معتقدات سے دُور رکھتا ہے تو پھر کروڑوں روپے کا بوجھ ڈال کر الگ نصاب جاری کرنے میں ان کا مقصد کیا رہ جاتا ہے۔ بہر حال ایک دفعہ الگ نصاب کی داغ بیل ڈال دینے کے بعد اس کی کیا ضمانت ہے کہ آئندہ سُنی بچوں کے عقائد و قلوب کو ان آزادانہ آلائشوں سے دور رکھا جا سکے گا۔

(۶)

یہ امر بھی قابل غور ہے کہ کیا علیحدگی کا یہ مطالبہ صرف نصاب تعلیم تک محدود رہ سکتا ہے؟ شیعہ کے مطالبات میں اوقاف کی علیحدگی بھی شامل ہے۔ تبرا بازی (بو سر عام صحابہ پر سب و شتم) کھلی چھوٹ دیتے جانے پر اصرار ہے۔ عزاداری کی کھلی آزادی کا مطالبہ ہے۔ آگے چل کر ان مطالبات کا دائرہ اور وسیع ہو سکتا ہے۔ فوج کے ہر یونٹ میں دو ایک شیعہ افراد کے لیے وہ سنی امام اور خطیب کے ساتھ شیعہ مجتہد اور امام کا بھی مطالبہ کر سکتے ہیں۔ اسی طرح فوج بھی نظریاتی جنگ و جدال کا اکھاڑہ بن سکتی ہے۔ پھر ان کی دیکھا دیکھی دیگر غیر مسلم اقلیتیں اور قادیانی بھی فوج میں اپنے مذہبی

مطالبات کے لیے الگ انتظام اور الگ الگ محکموں کا مطالبہ کر سکتی ہیں۔ ہماری ذاتی معلومات کی بنا پر فوج کے ایک ذمہ دار علیسائی افسر نے ہر یونٹ میں مسلمان عالم کے ساتھ ایک پادری کے تقرر کی خواہش ظاہر کر بھی دی ہوئی ہے۔ قادیانیوں کو حکومت اور فوج میں جو عمل دخل اور رسوخ حاصل ہے وہ کسی سے ڈھکا چھپا نہیں۔ اس رسوخ کی بنا پر مرزائی اپنے مبلغین کی تقرری کا سوال بھی اٹھا سکتے ہیں۔ کیا یہ صورت حال ملک کے دفاع، سالمیت اور افواج کی یک جہتی اور باہمی یگانگت کے لیے مضر نہیں ہوگی؟ مزید آگے چل کر شیعہ اقلیت اپنے لیے سنی آبادی کے ہر محلہ اور گاؤں میں الگ امام اور مجتہد کی تقرری کا ناقابل برداشت بوجھ بھی محکمۂ اوقاف پر ڈال سکتی ہے۔

(۷)

آزادی رائے اور سیکولر ذہنیت سے متاثر اذہان کو شاید یہ صورت حال بہت پسند آئے کہ ہر سکول اور تعلیمی ادارہ میں نوے پچانوے فی صدی اکثریت سنی مسلمانوں کے ساتھ ہے۔ اقلیتی بچوں کی خاطر پانچ دس الگ الگ نصاب بھی رکھے جائیں، لیکن اس طرح اس کے نظریے کا کیا حشر ہوگا جو قیام پاکستان کا باعث بنا اور جسے اب کافی حد تک ہم خود اپنی ستم کاریوں سے نیم مردہ اور بے جان کر چکے ہیں۔ یعنی دو قومی نظریہ۔ ملک جس اکثریت کے نام پر بنا ہے اگر پاکستان میں اس اکثریت اور مجارٹی کو تعلیم جیسے بنیادی مسئلہ میں قوت حاکمہ کی حیثیت حاصل نہیں ہوتی تھی اور اسے چھوٹی چھوٹی اقلیتوں کے مساوی حصہ دینا تھا تو کیا یہ مقصد ایک متحدہ سیکولر سٹیٹ کی شکل میں حاصل نہیں کیا جا سکتا تھا؟ کیا مسلمان برصغیر کی اقلیت رہ کر اس طرح مطالبات سے اپنے الگ تشخص کو برقرار نہیں رکھ سکتے تھے؟ پس بلاشبہ اگر یہاں مجارٹی اور منارٹی کا کوئی امتیاز نہیں ہے تو مسلمانوں کو ایک مستقل ریاست کے نام پر تاریخ کی لامثال قربانیوں اور مصیبتوں کا سامنا کیوں کرنا پڑا۔ الغرض جب ملک اکثریت کے نام پر بنا ہے۔ اقلیتی طبقات کے نام پر نہیں بنا تو ایسے فیصلے ملک کی رہی سہی اساس اور بنیاد دو قومی نظریہ کو منہدم کرنے کے مترادف ہونگے۔

(۸)

بلاشبہ ایک اسلامی مملکت میں اقلیتی فرقوں کو اپنے مذہب کی تعلیم حاصل کرنے اور اپنے کلچر و تمدن کو برقرار رکھنے کی اجازت ہے۔ لیکن اس کی صورت یہ ہے کہ اگر شیعہ وغیرہ کو سنی نصاب تعلیم پر اعتماد نہیں تو اپنے لیے پرائیویٹ اداروں اور تعلیم گاہوں کی شکل میں اس کا انتظام کر سکتے ہیں۔ کوئی اسلامی مملکت انہیں نہیں روکتی، لیکن وہ اس آڑ میں پورے ملک کے دینی نصاب کو خطرہ میں نہیں ڈال سکتی۔ نہ اکثریت پر اپنے عقائد کی تبلیغ کا جبری راستہ نکال سکتے ہیں۔ بھارت کی مثال ہمارے سامنے ہے جو نام نہاد سیکولر اسٹیٹ ہونے کا دعویدار ہے، لیکن وہاں کے اداروں کے نصاب میں ہندووانہ ذہنیت اور ہندو رسم و رواج اور تعلیمات سے مسلمان بچوں کے دین کو خطرہ لاحق ہوگیا تو مسلمانوں نے اس کے لیے الگ مکاتب کھولے، پرائیویٹ ادارے قائم کیے، مگر وہ بھارت کو مجبور نہیں کر سکے کہ ان کے لیے ہر سکول اور ادارہ میں الگ نصاب رکھا جائے۔ اس سے زیادہ قابل توجہ مثال ہمارے پڑوسی شیعہ مملکت ایران کی ہے۔ وہاں سنی مسلمان ۱۸٪ ہیں، لیکن کیا وہاں کی حکومت سنیوں کے لیے علیحدہ دینیات جاری کر سکے گی۔ اس طرح عراق میں اور شام کے دروزی شیعہ قبائل بعض جگہ ۲۲ فی صدی ہیں مگر کسی جگہ بھی الگ نصاب کا نہ مطالبہ ہوا نہ اس پر توجہ دی گئی۔ ایران کے ۱۸٪ فی صد سنی آبادی اگر اس کی مستحق نہیں ہو سکتی تو یہاں کے ۵٪ فی صد شیعہ آبادی کس بنیاد پر اس مطالبہ میں حق بجانب ہو سکتی ہے؟

اقتصادی اور معاشی لحاظ سے اس فیصلہ کا جائزہ لیجیے تو گویا ایک ایسا ملک جس کی ۷۵٪ آبادی اقتصادی بدحالی اور پس ماندگی کی وجہ سے لازمی، بنیادی تعلیمی سہولتوں سے بھی محروم ہے جہاں کی دور افتادہ دیہاتی آبادیاں پرائمری تعلیم سے بھی ناآشنا ہیں کسی ایسے دوہرے نصاب اور نظام تعلیم کی متحمل ہو سکتی ہیں جس کی وجہ سے تعلیمی مصارف دوگنا ہو جائیں۔ ہم موجودہ اسکولوں کو فرنیچر بنیادی سامان اور ضروری اسٹاف مہیا نہیں کر سکتے تو چند ایک بچوں کی خاطر الگ نصاب اس کے لیے الگ اساتذہ اور کتابوں کے اخراجات کہاں سے پورے کر سکیں گے۔ ان عظیم اخراجات اور مصارف کے نتیجہ میں فائدہ کتنا حاصل ہوگا؟ ہمارے خیال میں ملک کے ۷۰ فی صدی بالخصوص دیہاتی آبادی ایسی ہے جہاں کسی سکول میں آپ کو ایک بھی شیعہ بچہ نہیں مل سکے گا۔ ۳۰ فی صد تعلیمی ادارے اور اسکول ایسے ہوں گے جہاں ایسے بچوں کی شرح دس فی صد سے کسی طرح زیادہ نہیں ہوگی۔ لیکن ایک عام پالیسی کے تحت ہر سکول کو نہ صرف دو نصاب فراہم کرنا ہوں گے، بلکہ متصادم نظریات اور تعلیم کے لیے الگ الگ اساتذہ بھی۔ اس لیے کہ نہ تو کوئی سنی شیعہ نصاب پڑھانے پر آمادہ ہوگا نہ شیعہ حضرات ایسے اساتذہ سے پڑھنا گوارہ کریں گے۔ پھر جب دینیات کے اساتذہ دونوں نصابوں کے لیے ضروری ٹھہرے تو فرض کیجیے کہ ملک کی ۹۵٪ آبادی کے لیے ہمیں دس ہزار اساتذہ رکھنے ہیں تو ہم اتنی ہی تعداد ۵ فی صد آبادی کے لیے بھی رکھنے پر مجبور ہوں گے۔ یہ صورتحال ملازمتوں کے تناسب سے بھی کتنی قابل افسوس ہوگی۔

(۹)

ایک اور زاویہ سے دیکھیے تو قومی یک جہتی کے ساتھ حکومت کی دو رخی پالیسی پر محو حیرت ہوئے بغیر تو نہیں رہ سکیں گے کہ جب مسلمانوں کی اکثریت ایک مدت سے قادیانیوں کو الگ غیر مسلم اقلیت قرار دینے کا مطالبہ کرتی ہے تو اسے یہ کہ کر مسترد کر دیا جاتا ہے کہ اس طرح قومی اتحاد مجروح ہوتا ہے اور افتراق و انتشار کی راہ کھلتی ہے، یہاں تک کہ قادیانیوں کو دانستہ یا نادانستہ تحفظ دینے کی خاطر آئین میں نہایت اصولی مطالبہ "مسلمان کی تعریف اور مسلم کا تعین اور تشخص" کو بھی بے دردی سے ٹالا جاتا ہے، لیکن دوسری طرف

ایک ایسے فرقے کو علیحدگی کی راہ پر ڈالا جاتا ہے جس کی علیحدگی کا مطالبہ مسلمانوں کی طرف سے کبھی نہیں ہوا، بلکہ وہ اسے اپنے ساتھ ملاتے رکھنا چاہتے ہیں۔ حالانکہ پہلا مطالبہ قادیانیوں کی علیحدگی، قومی یک جہتی کے تحفظ اور سالمیت کی خاطر نہایت اصولی اور معقول اور ضروری ہے۔ جب کہ دوسرے مطالبہ (شیعوں کی علیحدگی) سے قومی یک جہتی پاش پاش ہو جاتی ہے۔ گویا نہ تو قومی اتحاد برقرار رکھنے میں مسلمانوں کے مطالبات قابلِ اعتناء ہیں۔ اور نہ اس کے توڑے جانے پر مسلمانوں کے اندیشے لائقِ التفات ہیں۔ ایسی دورنگی اور دو رخی پالیسی پر سوائے حیرت کے اور کیا کہا جا سکتا ہے؟

(۱۰)

شیعہ حضرات اس کے ردِ عمل پر بھی غور کریں اگر سنی بھی ایسے مطالبات شروع کریں کہ شیعہ کے الگ تشخص کی وجہ سے انہیں سول سروس فوج وغیرہ کی ملازمتوں اور دیگر حقوق و رعایات میں شرح آبادی کے تناسب سے کوٹہ مقرر کیا جائے۔ کیا اس مطالبہ کو نا معقول کہا جا سکے گا؟ اس طرح اگر شیعہ اہل سنت سے اپنے اختلاف کو اصولی قرار دینے پر مُصر رہے تو مسلمانوں کے لیے سوچنا ہوگا کہ ایسے اصولی اختلافات کے ساتھ کوئی شخص اسلام کے دائرے میں رہ سکتا ہے یا نہیں۔ یا ایسے اصولی اختلافات کے ہوتے ہوئے کوئی اقلیت ملک کے کلیدی مناصب بشمول صدارت وغیرہ پر فائز رہ سکتی ہے یا نہیں؟ یہ اور اس قسم کے بے شمار مسائل اس کے ردِ عمل میں ظاہر ہو سکتے ہیں۔ شیعہ حضرات شائد اسے گھاٹے کا سودا سمجھ کر پچھتانے لگ جائیں مگر موقع ہاتھ سے جا چکا ہو۔

(۱۱)

آخر میں اس فیصلہ کو قابلِ عمل ہونے کے لحاظ سے دیکھیے کہ یہ جبری طور پر کہاں تک نافذ ہو سکتا ہے۔ میرے خیال میں تعلیم کا مسئلہ زیادہ تر صوبائی حکومتوں سے وابستہ ہے۔ فرض کیجیے صوبہ سرحد یا بلوچستان اور ان کی دیکھا دیکھی کوئی اور صوبہ جداگانہ نصاب کے اس فیصلہ کو مسترد کر دے تو مرکز اسے جبراً ٹھونس کر کتنے خطرات میں ملک کو ڈال سکتا ہے اور اگر صوبائی حکومتیں اسے نافذ کر بھی دیں، لیکن جیسا کہ شیعہ حضرات کو اپنے عقائد اور نظریات عزیز ہیں گروہی حمیت انہیں چین سے نہیں بیٹھنے دیتی۔ سُنی مسلمانوں کے بچوں اور تعلیمی اداروں کے اہلِ سنت نوجوانوں میں دینی و ملی احساسات کا شعور بیدا ہوا اور ۹۵٪ لڑکوں نے اس فیصلہ کو مسترد کرنا چاہا تو ملک کے امن و امان کا کیا بنے گا؟ جس کی ملک کو تعمیرِ نو کے موقع پر نہایت اشد ضرورت ہے۔

ان خطرات کو دیکھتے ہوئے ملت کے اتحاد اور سالمیت کی خاطر ہماری دردمندانہ گذارش ہے کہ اس فیصلے پر نظرِ ثانی کر کے ملک کو منافرت افتراق اور خانہ جنگی کے اُن راستوں پر نہ ڈالا جائے۔

خدا اس روزِ بد اور اس کے نتائج سے ہم سب کو محفوظ رکھے۔ آمین۔ واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل۔

---

ہوئے۔ نام تاریخی آپ کا خورشید حسین ہے۔ علامۂ عصر فہامہ دہر، فاضل متبحر، مناظر، مباحث، حسن التقریر ذہین معقولات کے گویا پتلے تھے۔ آپ لڑکپن ہی سے ذہین، طباع، بلند ہمت، تیز، وسیع حوصلہ جفاکش جری تھے۔ مکتب میں اپنے ساتھیوں سے ہمیشہ اول رہتے تھے قرآن شریف بہت جلد ختم کر لیا۔ خط اس وقت بھی سب لڑکوں سے اچھا تھا۔ نظم کا شوق اور حوصلہ تھا۔ اپنے کھیل اور بعض قصے نظم فرماتے اور لکھ لیتے تھے۔ چھوٹے چھوٹے رسالے اکثر نقل کئے۔ عربی آپ کو شیخ نہال احمد نے شروع کرائی۔ پھر آپ سہارنپور میں اپنے نانا کے پاس چلے گئے۔ اور وہاں مولوی محمد نواز سے کچھ فارسی اور عربی کی کتابیں پڑھیں۔ ۱۲۶۰ھ میں مولوی مملوک العلی کے پاس دہلی میں جا کر تحصیل علوم میں مشغول ہوئے۔ اور حدیث کو شاہ عبدالغنی محدث سے پڑھا۔ جب تحصیل سے فارغ ہوئے تو چندے مدرسہ عربی سرکاری واقع دہلی میں مدرس رہے۔ پھر مطبع احمدی میں تصحیح کتب پر مقرر ہو گئے، اور تحشیہ و تصحیح بخاری شریف کا کام سرانجام دیا۔ آپ کا قول ہے کہ بایامِ طالب علمی میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ میں خانہ کعبہ کی چھت پر کھڑا ہوں اور مجھ میں سے ہزاروں نہریں نکل کر جاری ہو رہی ہیں۔ جناب والد سے ذکر کیا۔ انہوں نے فرمایا کہ تم سے علمِ دین کا فیض بکثرت جاری ہوگا۔ ۱۲۷۷ھ میں حج کیا اور دیوبند کے عربی مدرسہ کے سرپرست مقرر ہوئے۔ ۱۲۸۵ھ میں پھر حج کو چلے گئے۔ اور مراجعت کے بعد دہلی میں واپس آ کر تدریس و تنشیرِ علوم میں مشغول ہوئے۔ سب کتابیں بے تکلف پڑھاتے اور اس طرح کے مضامین بیان فرماتے کہ نہ کسی نے سُنے نہ سمجھے اور عجائب و غرائب تحقیقات ہر فن میں کرتے جس سے تطبیق اختلافات اور تحقیق ہر مسئلہ کی بیخ و بُن تک ہو جاتی تھی۔ پادری تارا چند کو آپ نے مباحثہ میں ساکت کیا۔

۱۲۹۳ھ میں چاند پور ضلع شاہجہانپور میں جو تحقیقِ مذہبی کا ایک میلہ قائم ہوا تھا۔ اور ہر مذہب کے عالم وہاں جمع ہوئے تھے۔ اس میں آپ نے ابطالِ تثلیث و شرک اور اثباتِ توحید کا ایسا بیان کیا کہ حاضرین جلسہ مخالف و موافق مان گئے۔ ۱۲۹۴ھ میں پھر اس میلہ میں پنڈت دیانند سرستی کے ساتھ گفتگو کی اور بحث وجود اور توحید کا ایسا بیان کیا کہ حاضرین کو سوائے سکوت اور استماع کے اور کچھ کام نہ تھا۔ پھر عیسائیوں سے تحریف میں گفتگو ہوئی اور عیسائی ایسے بے سروپا بھاگے کہ ٹھکانا نہ معلوم ہوا۔ حتّٰی کہ اپنی بعض کتابیں بھی بھول گئے۔ ان مباحثوں کا حال آپ نے ایک رسالہ میں مرتب کیا اور اس کا نام حجۃ الاسلام رکھا اسی سال آپ پھر حج کو تشریف لے گئے۔ جب واپس آئے تو تپ میں مبتلا ہو کر کسی قدر عرصہ تک بیمار رہے۔ اسی اثنا میں دیانند سرستی نے پھر مسلمانوں کے مذہب استقبالِ قبلہ پر اعتراض کرنا شروع کئے۔ جن کے جواب میں آپ نے ایک رسالہ **قبلہ نما** نام تصنیف کیا۔ یوم پنج شنبہ ظہر کے وقت ۴ جمادی الاول ۱۲۹۷ھ میں ذات الجنب اور تپ کے عارضہ سے وفات پائی۔ اور قصبہ نانوتہ (نانوتہ نہیں دیوبند) میں دفن کئے گئے۔ "مباحث روشن نفس" آپ کی تاریخ وفات ہے آپ سے مولوی محمد حسن دیوبندی اور مولوی فخرالحسن گنگوہی اور مولوی احمد حسن امروہوی وغیرہ نے پڑھا۔"

حدائق الحنفیہ ص ۴۹۲

ضیاء الرحمٰن فاروقی

# رسولِ رحمت کی سیاست

آخر وہ کیا لائحہ عمل تھا اور وہ کیا انقلابی پروگرام تھا جس کے باعث مدینہ منورہ کی چھوٹی سی ریاست دس سال کے قلیل عرصے میں براعظم یورپ، براعظم ایشیا اور براعظم افریقہ پر حکومت کرنے لگی، لبعدازاں اسلامی حکومت کا دائرہ کار ۳۱ لاکھ مربع میل تک وسیع ہوگیا۔ لوٹ مار کے ذریعے نہیں، فوج کشی کی بدولت نہیں، بلکہ صرف اور صرف اسلام کی نورانی تعلیمات ہی کا نتیجہ تھا کہ جو قوم بھی محسن کائنات کو اپناتی اسی کی ہو کر رہ جاتی اگر آپ غائرانہ نظر سے آنحضرتؐ کی سیرۃ کا مطالعہ کریں تو معلوم ہوگا کہ آپ کی حکمت عملی نے انسانیت کے ہر تمدنی دور کی ایسی رہنمائی کی ہے کہ بڑے بڑے غیر مسلم ریفارمر اور سیاستدان آپ کے نادرہ اصولوں کو معراج انسانیت قرار دے چکے ہیں۔ ترقی کی شاہراہوں پر چلنے کے لئے آنحضرتؐ کے اقتصادی، معاشی، اخلاقی، معاشرتی ازدواجی اصولوں میں ایسی تدابیر اور حکمتیں پنہاں ہیں کہ عقل انسانی حیرۃ واستعجاب کی گہرائیوں میں ڈوب جاتی ہے ـــــ آپؐ اندازہ کرسکتے ہیں کہاں مدینہ کے آطام (سنگی قلعے یا حفاظتی مکانات) اور کہاں افغانستان کی آخری سرحدات کہاں مسلمانوں کی درماندگی اور کہاں اکاسرہ وقیاصرہ کی عظمت، یہ سب کچھ رحمت کائنات کے تدبر و تفکر کی گہرائی کا نتیجہ تھا۔

جب سے ہم آپ کی اخلاقیات کو سیاسیات کو، غیر آباد کہہ گئے ہیں۔ اسی وقت سے ہماری تاریخ ہزیمتوں کا ایک حصہ بن گئی ہے اور اس پہ مستزاد یہ کہ سیاست مغرب نے ہماری ذہنوں پہ ایسا غوغا کیا ہے کہ ہم آج آنحضرت کو عظیم سیاستدان، اور علماء اسلام سے سیاسیات سے تعلق کو، برملا کہتے ڈرتے ہیں:۔

"اجی سیاست میں علماء کا کیا کام ہے"۔

"اف تم نے حضورؐ کو عظیم سیاستدان کہہ کر آپ کی توہین کردی ہے۔ سیاست تو جھوٹ کا نام ہے"

یہ عجیب عجیب خیالات اسی نظریہ کی پیداوار ہیں کہ ہم نے اسلامی سیاست کو سمجھا ہی نہیں، بس مغربی سیاست جو واقعی جھوٹ، دغا بازی، فریب کاری ہی کا دوسرا نام ہے، وہی ہمارے اطراف واکناف کا گھیراؤ کئے ہوئے ہے، اور ابھی تک ہمارے ذہنوں میں یورپی سیاست اور مغربی نظام کا ہوا جوں کا توں موجود ہے۔

## سیاست کا لغوی اور اصطلاحی معنیٰ

لغت میں سیاست کا معنیٰ گھوڑوں کی دیکھ بھال کرنا، اصطلاح میں ملکی دیکھ بھال اور ملکی تدابیر کو سیاست کہا جائیگا۔ "از تجلیات عثمانی، علامہ جلال الدین دوانی کی کتاب اخلاق جلالی" سے بھی اسی معنیٰ کی تائید ہوتی ہے ان صفحات میں آنحضرت سے جن سیاسی شہ پاروں سے بحث ہوگی وہ مندرجہ بالا سیاست کے مفہوم کے عین مطابق نظر آئے گی۔

## آنحضرتؐ کے عظیم سیاسی شاہکار

یوں تو مدینہ منورہ کی زندگی کا ہر مرحلہ آپؐ کا سیاسی مرحلہ تھا۔ اور ڈاکٹر حمید اللہ کی تحقیق سے مطابق آنحضرت نے جو ستائیس غزوات کی قیادت فرمائی اور تقریباً آپ نے ۵۳ دستے روانہ کئے ہر ایک آپ کا سیاسی شاہکار ہے مگر یہ مضمون پورے احاطے کی اجازت نہیں دیتا ـــــ اس لئے یہاں آپ کے سیاسی شہ پاروں کو انتہائی اجمال کے ساتھ نقل کیا جاتا ہے۔

(۱) بیعت عقبہ ثانیہ ـــــ یہ بیعت بیعت نبوی کے تیرھویں سال ایام حج میں منیٰ کے مقام پر ہوئی اس میں مدینہ کے تہتر آدمی شریک ہوئے جن کے ذریعے مدینہ منورہ میں آنحضرت کی آمد کا راستہ ہموار ہوا، فی الحقیقہ یہی بیعت اسلام کی سیاسی زندگی کا سنگ بنیاد تھی،

(۲) مدینہ پہنچ کر آنحضرت کا پہلا قدم ـــــ اندرونی استحکام۔

مدینہ پہنچتے ہی آپؐ نے مسجد نبوی کی تعمیر کرائی تاکہ اجتماعیت کے مواقع فراہم ہوں اور مسلمان آپس میں مبادلہ افکار کرسکیں۔

ـــ اس اثنا میں اجتماعی زندگی کی پوری شیرازہ بندی کی گئی۔

ـــ انصار و مہاجرین میں اخوت ومساوات قائم کی گئی۔

— آنحضرتؐ نے عظیم دفاعی نکتہ پر نظر رکھتے ہوئے مدینہ کو حرم قرار دیا جس کا مطلب یہ تھا کہ اہل شہر اور مضافات یہاں جنگ نہیں چاہتے۔

(۳) مدینہ کی دفاعی حیثیت اور آنحضرت کا دوسرا قدم۔ مضافاتی استحکام

آنحضرتؐ جب مدینہ پہنچے تو اس وقت مدینہ بحر متوسط، شام اور مصر کی گذرگاہ تھا مصر یہ مدینہ عراق اور خلیج فارس کی طرف جاتے ہوئے بحر قلزم سے متوازی راستے کو ایشیا اور یورپ سے ملاتا تھا۔ ملک کا باقی حصہ دشوار گذار وادیوں سے اٹا پڑا تھا۔ آنحضرتؐ نے اندرونی استحکام کے بعد علاقائی استحکام یوں کیا کہ آپ نے سب سے پہلے قبائل یہود سے دفاعی معاہدہ فرمایا جس میں یہودیوں کے ۱۳ قبائل شریک ہوئے، اس کا مقصد یہ تھا کہ مدینہ اندرونی اور بیرونی خطرات سے محفوظ ہو جائے، اس معاہدے کی ۵۳ دفعات ہیں۔

آنحضرتؐ کی جلوہ آرائی اور ضیا گستری سے مدینہ کی اہمیت علاقے بھر میں بہت اہم بن چکی تھی۔ — آپ کی بصیرت نے اندازہ کر لیا تھا کہ مشرکین مکہ ضرور ہمارا پیچھا کریں گے۔ اس لئے آنحضرتؐ نے جہاد اسلامی کے بنیادی اصولوں کے مطابق تربیت سپاہ، ہتھیار، تعداد، دفاعی تحفظ کا طریق کار، انضباط کے ساتھ ساتھ اخلاقی قوت اور ثابت قدمی وغیرہ کے عظیم النوع اصولوں پر اپنی مہاجر و انصار فوج کو تیار کرنا شروع کر دیا تھا اس کی وجہ یہ بھی تھی اللہ کی طرف سے بھی جہاد کی اجازت ہو گئی تھی۔

۴۔ معاہدہ یہود کے بعد فوجی دستوں کی مہمیں وغیرہ۔

یہودیوں سے دفاعی معاہدے کے بعد سپہ سالار اعظمؐ نے مختلف سمتوں کی طرف چھوٹی چھوٹی مہمیں جن میں گشتی دستے، لڑاکا دستے، دفاعی دستے روانہ فرمائے، موضوع کو قریب الفہم کرنے کے لئے ان دستوں کو مختلف اقسام میں تقسیم کیا گیا ہے، مثلاً جو دستے محض رعب اور اسلامی سطوت و دبدبہ کے لئے روانہ کئے گئے ان کو گشتی مہماتی دستوں کا عنوان دیا گیا ہے، ان کی تعداد ۱۷ ہے جو دستے دشمن کے حالات معلوم کرنے کے لئے بھیجے گئے ان کو جاسوسی دستہ کہا جائے گا ان کی تعداد ۴ ہے۔ جو دستے شرپروں کے قتل پر روانہ کئے گئے وہ تقریباً ۸ ہیں ان کا نام جانبازدستے ہوگا۔ جن دستوں نے دشمن کے ساتھ مقابلہ کیا وہ لڑاکا دستے کہلائیں گے۔

اس کے علاوہ آنحضرتؐ کی فلینک گارڈ (یعنی پہلوؤں کو بچانے والا) حفاظتی عقبی دستہ کے بھی چند دستے مقرر ہوئے ۔ وجہ کیا وجوہ تھیں کہ تعداد اور اسلحہ میں کم ہونے کے باوجود مسلمان فاتح ہوئے۔ اس کے لئے یہ اصول ملاحظہ ہوں آنحضرتؐ کے جنگی اصول۔

(۱) میدان جنگ میں آتے ہی دشمن کو اسلام پیش کرنا۔

(۲) دشمن کے بوڑھوں، بچوں اور عورتوں کو کچھ نہ کہنا۔

(۳) ہر وقت دشمن کی نقل و حرکت کا علم رکھنا

(۴) تھوڑی فوج ہو تو مختلف دستے مقرر کر دینا۔

(۵) جس میدان میں جنگ کرنا ہو پہلے پہنچ کر خاص خاص مقامات پر قبضہ جما لینا۔

(۶) دشمن اگر بھاگ جائے تو بھی جائے جنگ پر چند روز قیام کرنا۔

(۷) عہدو معاہدوں کی سختی سے پابندی کرنا اور کوئی معاہدہ توڑے اس کو سختی سے کچل دینا

(۸) جس لباس میں جس ہتھیار میں دشمن آئے اسی طریقے سے اس پر حملہ کرنا۔

(۹) اچانک حملہ کرنا تاکہ دشمن کی فوج سراسیمہ ہو جائے۔

(۱۰) شبخون مارنا۔

یہ دس جنگی اصول آپ کے ۲۷ غزوات کے عظیم عملی کردار سے ماخوذ ہیں باقی ایک عظیم سیاستدان کی خصوصیات اور آنحضرتؐ کا انطباق پھر ایک کامیاب جرنیل کے بارے میں سقراط اور چینی جرنیل SUNTZUE کی بیان کردہ علامات کے آئینے میں بھی اگر آنحضرت کو دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ اصول آنحضرتؐ ہی کی سیرۃ سے ماخوذ ہیں اور آپ اُن کے معیار سے کہیں بلند نظر آتے ہیں۔ آنحضرتؐ نے تمام جنگیں اسلام کی بقاء حیات کے لئے لڑیں نہ کہ اسلام کی اشاعت کیلئے، کیونکہ اگر بزم سے رزم تک نہ پہنچا جاتا تو اسلام مکہ ہی میں ختم ہو جاتا۔ آنحضرتؐ تو دنیا کو امن و راستی کا عظیم پیغام دینے کے لئے آئے تھے۔ ملکی فتوحات سے غارت گری ان کا مقصد نہ تھا، پھر دیکھا آپ نے جہاں ان کی تعلیمات فروزاں ہوئیں وہی سلطنت دنیا کے دول کے لئے نمونہ بن گئی۔ عدل و انصاف کا گہوارہ کہلائی، آنحضرت جس طرح اخلاق و کردار اور معلم و مربی ہونے کے اعتبار سے یکتا و بے مثل ہیں ایسے ہی آپ سیاسیات و دفاعیات کے اہم موضوع میں بھی دنیائے انسانیت کے سب سے بڑے محسن ہیں، آپؐ ہی دنیا کے ایک ایسے عظیم جرنیل اور سیاستدان ہیں جنہوں نے فریب کاری سے جدا، انسانیت کشی اور حصول اقتدار کے طمع سے ماورا دنیا کو ایسی سیاست، حکمت عملی اور ایسا طریقہ دفاع و جنگ سمجھایا ہے کہ جس سے جہاں انسانیت تعمیر و ترقی کی معراج کرے گی۔ وہاں حرص و آز کی لعنتوں اور قتل و غارت کی برائیوں سے بھی دور ہو جائے گی کاش۔ کوئی فرانسیسی، نپولین کو امریکی، ہائزن آور، کوئی اسٹالن گراڈ کوئی ڈیگول کوئی میک آرتھر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اس سنت پر عمل کرتا اور انتقامی جنگوں کے امکانات ہمیشہ کے لئے ختم کر کے انسانوں کو امن و چین عطا کر سکتا

سوائے اقتدار اور بہیمانہ قتل و غارت کے اور سوائے تڑپتی لاشوں کے انہوں نے دنیا کے لئے کیا چھوڑا ہے۔ دنیا کو کیا دیا ہے — اور اتنی بڑی بڑی جنگیں کر کے انسانیت پر کیا احسان کیا ہے۔

شہر شہر سے

رپورٹ - زاہد الراشدی

# نظامِ شریعت کانفرنس منعقد کرنے کا فیصلہ

## ملک سیاسی طور پر ناکام ہو چکا ہے مولانا مفتی محمود — تنظیم کے بغیر کوئی کام نہیں ہو سکتا۔ حضرت درخواستی

کل پاکستان جمعیۃ علماء اسلام کے مرکزی، صوبائی اور ضلعی عہدہ داروں کا مشترکہ اجلاس ۳۰ نومبر ۷۴ء بروز ہفتہ صبح ساڑھے دس بجے مدرسہ قاسم العلوم اندرون شیرانوالہ گیٹ لاہور میں منعقد ہوا۔ کارروائی حضرت مولانا عبدالکریم صاحب آف بیر شریف سندھ نائب امیر مرکزیہ کی زیر صدارت شروع ہوئی جبکہ حضرت امیر مرکزیہ حافظ الحدیث والقرآن مولانا محمد عبداللہ درخواستی دامت برکاتہم تھوڑی دیر بعد تشریف لے آئے اور مسند صدارت پر رونق افروز ہوئے۔ مولانا قاری عبدالسمیع صاحب سرگودھوی نائب امیر صوبہ پنجاب نے تلاوت کلام کریم سے کارروائی کا آغاز کیا اس کے بعد قائد جمعیۃ علماء اسلام حضرت مولانا مفتی محمود نے اجلاس کی غرض وغایت اور ملک کی تازہ ترین صورت حال پر روشنی ڈالی آپ نے فرمایا کہ آج ملک جن حالات سے گزر رہا ہے ان کے پیشِ نظر جمعیۃ علماء اسلام کو تنظیمی لحاظ سے مضبوط بنانا فرض عین کی حیثیت اختیار کر چکا ہے کیونکہ جمعیۃ ہی ایک ایسی جماعت ہے جو مخلصانہ جدوجہد کے ذریعہ ملک کو موجودہ بحران سے نکال سکتی ہے مفتی صاحب نے فرمایا آج سیاسی، دینی، معاشی اور معاشرتی جس نقطۂ نظر سے دیکھا جائے ملک کی حالت دگرگوں ہے اور ملک جاں بلب ہے

ایک طرف ہمارے حکمران شور مچانے میں مصروف ہیں کہ ہم نے ملک کو اسلامی آئین دیا اس سے قطع نظر حقیقت یہ ہے کہ ملک کا آئین خامیوں کے باوجود ایسا ہے کہ اگر اس پر صحیح طور پر عمل کیا جائے تو ہمارے مسائل کو حل کرنے کے لیے کفایت کرتا ہے اس آئین میں پہلی مرتبہ اسلام کو ملک کا سرکاری مذہب قرار دینے کی بات تسلیم کی گئی ہے اور یہ طے کیا گیا ہے کہ تمام قوانین کو بتدریج قرآن وسنت کے مطابق بنا دیا جائیگا لیکن ابھی تک ایک قانون کو بھی اسلام کے مطابق نہیں بنایا گیا، حالانکہ اسلامی مشاورتی کونسل کی ذمہ داری یہ طے کی گئی ہے کہ وہ ہر سال اسلام کے مطابق ملکی قوانین میں ترامیم کا ایک مسودہ اسمبلی کو پیش کرے گی جسے منظور کر کے نافذ کیا جائے گا اور سات سال میں تمام قوانین کو اسلام کے مطابق بنا لیا جائے گا، لیکن اس کام کی ابھی تک ابتداء نہیں کی گئی بلکہ نئی کابینہ میں امور مذہبیہ کی الگ وزارت قائم کر کے اور اس کے لیے الگ وزیر مقرر کر کے عملاً پاکستان کے بنیادی مقصد اور اسلام کے سرکاری مذہب ہونے کی نفی کی گئی ہے، گویا مذہب صرف چند امور تک محدود ہے جو ایک وزارت کے ذمہ ہیں اور نظام حکومت کے باقی شعبے مثلاً داخلی امور، خارجہ پالیسی صنعت وحرفت، مواصلات حتیٰ کہ قانون کا شعبہ بھی مذہب سے آزاد ہے اور مذہب کا ان سے کوئی واسطہ نہیں اس لیے وزارت امور مذہبیہ کا قائم ہونا اور اس کا اعلان ہو جانا ہی "پاکستان کا مطلب کیا لا الہ الا اللہ" کی نفی کرتا ہے۔

قائد جمعیۃ نے کہا آج یہ خدشہ بھی ظاہر کیا جا رہا ہے کہ وزارت امور مذہبیہ کے تحت عربی اور دینی مدارس کو سرکاری تحویل میں لے لیا جائے گا اور شاید اس مقصد کے لیے اسمبلی کے اسی سیشن میں بل پیش ہونے والا ہے لیکن ہم یہ واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ ہم مدارس عربیہ اور مساجد کو بھٹو کی سیاست کا مرکز نہیں بننے دیں گے۔ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ اگر مدارس عربیہ کو سرکاری تحویل میں لے لیا گیا تو ان مدارس کا نصاب آزاد پالیسی اور صحیح اسلامی ذہن بنانے میں ان مدارس کا کردار یقیناً متاثر ہوگا اور علماء کے لیے آزادی کے ساتھ حق کی بات کہنا مشکل تر ہوتا جائے گا، اس لیے مدارس عربیہ اور مساجد کی آزادی کے خلاف کسی بھی قسم کا کوئی اقدام مداخلت فی الدین ہے ہم اسے برداشت نہیں کریں گے اور پوری قوت سے اس کا مقابلہ کریں گے۔

قائد جمعیۃ نے کہا ہمارے حکمرانوں کا اسلام کے بارے میں ذہن بڑا عجیب ہے جب ہم نے اسمبلی میں اسلام کو ملک کا سرکاری مذہب قرار دینے کی دفعہ پیش کی تو شیخ محمد رشید نے یہ ترمیم پیش کی کہ ملک کا سرکاری مذہب اسلام ہوگا لیکن معاشی مسائل سوشلزم کے تحت حل کیے جائیں گے ہم نے شیخ صاحب کی اس ترمیم کی مخالفت کی چنانچہ آئین کی آخری منظوری سے قبل بھٹو صاحب نے سوشلزم کی ترمیم کو آئین سے ہمارے مطالبہ پر حذف کر دیا تھا۔

مفتی صاحب نے کہا سیاسی طور پر ملک مفلوج ہو چکا ہے بدامنی اور لاقانونیت کا دور دورہ ہے قانون کا احترام ختم ہو چکا ہے ملک کے مستقبل کے بارے میں ہر فرد شک اور بے یقینی کا شکار ہو چکا ہے کسی شریف شہری کی جان مال اور آبرو محفوظ نہیں ہے خصوصاً بلوچستان میں جو مظالم ہو رہے ہیں ان کا تھوڑا سا حصہ بھی اگر سناؤں تو آپ کے رونگٹے کھڑے ہو جائیں۔ نہتے انسانوں پر بمباری ہو رہی ہے بلوچستان پر آج بھی چھ ڈویژن فوج مسلط ہے اور یہ کہا جا رہا ہے کہ باغیوں کا پیچھا کیا جا رہا ہے میں کہتا ہوں بلوچستان میں کوئی باغی نہیں ہے۔ اگر آج فوجی کارروائی ختم کر دی جائے تو مسئلہ حل ہو سکتا ہے۔ وہاں بدامنی کی صورت حال اس حد تک مخدوش ہو چکی ہے کہ کوئٹہ شہر میں بھی مغرب کے بعد کوئی شخص گھر سے باہر نکلنے کی جرأت نہیں کرتا قدم قدم پر تلاشی ہوتی ہے بم پھٹتے ہیں اور لاقانونیت کے واقعات ہوتے ہیں، صوبہ سرحد کی بھی یہی کیفیت ہوتی جا رہی ہے پولیس پُرامن شہریوں کے گھروں میں گھس کر عورتوں کو پریشان کرتی ہے لوگوں کو گرفتار کر کے جدید آلات کے ذریعہ ان کو اذیت دی جاتی ہے ان میں بعض نامرد بھی ہو چکے ہیں اور نوجوان پولیس کے ظلم وتشدد سے تنگ آ کر قبائلی علاقوں کی طرف بھاگ رہے ہیں ایسے ہی مایوس نوجوان انتہا پسندی پر مجبور ہو جایا کرتے ہیں۔

غرضیکہ ملک سیاسی طور پر کمزور ہو چکا ہے اور اسے بچانا بھی جمعیۃ کے کارکنوں کی ذمہ داری ہے۔

معاشرتی طور پر بداخلاقی بددیانتی اور بے حیائی پورے عروج پر ہے تمام محکموں میں ملازم کام کرنے کی بجائے گپ شپ لڑاتے ہیں قوم کا روپیہ ضائع ہوتا ہے،

کام بالکل نہیں ہوتا اور یہ معاشرتی خرابیاں ہمارے معاشرہ کا مستقل روگ بن گئی ہیں معاشی نقطۂ نظر سے بھی ملک کی حالت مخدوش ہے عوام مہنگائی کے سامنے بے بس ہو چکے ہیں۔ وزیر اعظم دوسرے ملکوں کی بات کرتے ہیں کہ وہاں بھی مہنگائی ہے، لیکن میں کہتا ہوں کہ وہاں اشیاء صرف کی قیمتوں میں اضافہ کے ساتھ عوام کی اوسط آمدنی اور قوت خرید میں اضافہ ہوتا ہے، لیکن پاکستان کی صورتحال یہ ہے کہ مہنگائی میں اگر ... فی صد اضافہ ہوا ہے تو اوسط آمدنی اور قوت خرید میں اس کی نسبت سے ۱۰ فیصد کا اضافہ بھی نہیں ہوا اس لیے مہنگائی کی بات کو دوسرے ملکوں کے حوالے سے ٹالنا عوام کو دھوکہ دینے کے مترادف ہے اور یہ جھوٹ سرِعام بولا جا رہا ہے۔

قائد جمعیۃ نے فرمایا ان حالات میں ضروری ہے کہ جمعیۃ علماء اسلام کے کارکن نئے حالات کے تحت اپنی تنظیم اور جمعیۃ کی مالی حالت کو مضبوط تر بنائیں تاکہ ان تمام خطرات کا مقابلہ کیا جا سکے۔

مفتی صاحب نے فرمایا کہ ترجمان اسلام کے سلسلہ میں بھی ہم نادھند ایجنٹ حضرات کی وجہ سے پریشان ہو چکے تھے دوسری جماعتیں اپنے پرچوں کے خسارہ کو برداشت کرتی ہیں، لیکن ہم ایسا نہیں کر سکتے تھے کچھ عرصہ ہم نے قرض دیا، لیکن جب ہم نے محسوس کیا کہ یہ بات ہم سے نہیں نبھ سکے گی تو ہم نے پھر قرض دینا ترک کر دیا

**اب ترجمان اسلام نئے انتظامات کے تحت آ چکا ہے اور اس کا پہلا پرچہ دیکھ کر اس کی تعریف کیے بغیر نہیں رہ سکتا ماشاء اللہ بڑی اچھی ترتیب** ہے۔ قائد جمعیۃ علماء اسلام کے خطاب کے بعد حضرت الامیر مولانا محمد عبداللہ درخواستی دامت برکاتہم نے خطاب فرمایا آپ نے فرمایا کہ مساجد اور مدارس کی حفاظت ضروری ہے مساجد وصال یار کے مقامات ہیں اور دینی مدارس محمدی باغ ان کے نگران علماء ہیں اگر علماء مدارس و مساجد کی نگرانی کرتے رہے تو سب کچھ مل جائیگا ہم مساجد اور مدارس کو نہیں چھوڑ سکتے

ہمارے لیے یہ بات سب سے زیادہ ضروری ہے کہ ہم اپنی تنظیم کو مضبوط کریں **کیونکہ تنظیم کے بغیر کوئی کام نہیں چل سکتا** اس کے بعد مالی استحکام بھی ضروری ہے کیونکہ وسائل کے بغیر ملک میں کام کرنا مشکل ہے اس کے ساتھ، ۱۔ اخلاص ۲۔ استقلال اور ۳۔ مصائب پر صبر کے ساتھ کام کیا جائے تو اللہ تعالے ضرور مدد فرمائیں گے۔

**حضرت الامیر نے جمعیۃ طلباء اسلام کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے فرمایا کہ تحریک ختم نبوّت میں ان نوجوانوں نے سب سے زیادہ بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔**

> امیر محترم کے خطاب کے بعد حضرت مفتی صاحب کی تجویز پر اجلاس میں طے کیا گیا کہ ۲۱۔ ۲۲۔ ۲۳ مارچ ۷۵ء بروز جمعہ و ہفتہ و اتوار لاہور میں کل پاکستان سطح پر ایک عظیم الشان "نظام شریعت کانفرنس" منعقد کی جائے گی جو اسلامی تحریک کے لیے سنگ میل کی حیثیت رکھے گی۔

کانفرنس کے انتظامات کے لیے مجلس استقبالیہ چن لی گئی جس کے صدر حضرت مولانا عبید اللہ انور دامت برکاتہم اور سیکرٹری جناب عبدالحمید بٹ اور مولانا محمد اجمل خان ہونگے باقی ارکان کا انتخاب خود صدر استقبالیہ فرمائیں گے۔

بعد ازاں ملک کی عمومی صورت حال پر بحث و تمحیص کے بعد مندرجہ ذیل قرار دادیں بالاتفاق منظور کی گئیں، اور چاروں صوبوں کے ماتندوں پر مشتمل ایک وفد ترتیب دیا گیا جو بلوچستان کا تفصیلی دورہ کر کے ملک کے عوام کو وہاں کی صحیح صورت حال سے آگاہ کرے گا اس کے بعد حضرت الامیر دامت برکاتہم کی دعاء پر اجلاس بخیر و خوبی اختتام پذیر ہوا

۱۔ پہلی قرارداد میں ملک کی سیاسی صورت حال کو انتہائی مخدوش قرار دیتے ہوئے کہا گیا ہے کہ ملک میں جمہوری و سیاسی عمل معطل ہو چکا ہے دفعہ ۱۴۴ ڈی پی آر اور امتناعی قوانین کے ذریعہ اظہار رائے کے تمام دروازے بند کیے جا چکے ہیں۔

ریڈیو ٹی وی اور نیشنل سنٹروں کے ذریعہ اپوزیشن راہ نماؤں کے خلاف بے بنیاد پراپیگنڈہ مسلسل جاری ہے۔ اور اخبارات کا گلا گھونٹ دیا گیا ہے قرار داد میں مطالبہ کیا گیا ہے کہ ملک میں جلسہ جلوس کی آزادی بحال کی جائے سیاسی قیدیوں کو رہا کر کے مقدمات واپس لیے جائیں، اخبارات پر پابندیاں ختم کی جائیں اور ریڈیو ٹی وی پر یکطرفہ پراپیگنڈہ بند کر کے اپوزیشن کو بھی اظہار رائے کا موقع دیا جائے۔

۲۔ دوسری قرارداد میں قادیانیت کے بارے میں تاریخی فیصلہ پر پارلیمنٹ کے تمام ارکان حزب اختلاف کے راہنماؤں بالخصوص حضرت مولانا مفتی محمود۔ مجلس عمل کے قائدین اور کارکنوں علماء طلباء، تاجروں، وکلاء اور دیگر تمام طبقوں کو ہدیۂ تبریک و تحسین پیش کرتے ہوئے اس امر پر تشویش کا اظہار کیا گیا ہے کہ ابھی تک پارلیمنٹ کے فیصلہ پر عملدرآمد کے لیے کوئی ٹھوس قدم نہیں اٹھایا گیا جبکہ قادیانی گروہ اشتعال انگیز لٹریچر پھیلانے کے ساتھ ساتھ ایسے اقدامات کر رہا ہے جن سے پارلیمنٹ کے فیصلہ اور ربوہ کو کھلا شہر قرار دینے کے اقدام کو غیر مؤثر بنایا جا سکے۔

قرارداد میں کہا گیا ہے کہ وزیر اعظم بھٹو نے تحریک ختم نبوت تمام اسیروں کی رہائی اور مقدمات کی واپسی کا اعلان کیا تھا، لیکن ابھی تک ملک بھر میں تحریک کے تمام قیدیوں کو رہا نہیں کیا گیا اور نہ ہی مقدمات واپس لیے گئے ہیں بلکہ انتقامی کارروائیوں کا سلسلہ جاری ہے جیسا کہ سرگودھا میں گزشتہ ستمبر کے واقعات کے بعد ہنگاموں کے اصل ذمہ دار افراد کی بجائے عمداً مجلس عمل کے راہنماؤں کارکنوں اور شہریوں کے خلاف جھوٹے مقدمات درج کیے گئے۔ شہر میں خوف و ہراس مسلط کیا گیا اور جامعہ مسجد بلاک ۱۸ اور جامع مسجد گول چوک کے خطباء اور عملہ کو بلا وجہ معطل کر دیا گیا اسی طرح گوجرانوالہ ملتان اور لائلپور میں تحریک کے دوران قائم کیے گئے مقدمات کی بنا پر کارکنوں کو پریشان کیا جا رہا ہے قرار داد میں حکومت سے مطالبہ کیا گیا ہے کہ قادیانیت کے متعلق پارلیمنٹ کے فیصلہ پر جلد از جلد عمل کیا جائے تحریک کے اسیروں کو رہا کر کے تمام مقدمات واپس لیے جائیں اور تشدد اور انتقام کی کارروائیاں فی الفور ختم کی جائیں۔

۳۔ تیسری قرارداد میں بلوچستان کی صورت پر انتہائی تشویش اور اضطراب کا اظہار کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ اگر ملک کے محب وطن عوام اور سیاسی حلقوں نے بلوچستان کے مسئلہ کو سیاسی بنیادوں پر حل کرانے کی ٹھوس جد وجہد نہ کی تو یہ بات ملکی سالمیت کے نقطۂ نظر سے نقصان دہ ہو سکتی ہے

قرار داد میں کہا گیا ہے کہ اگرچہ وزیر اعظم بھٹو بار بار یہ اعلان کر رہے ہیں کہ بلوچستان کا مسئلہ حل ہو چکا ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہاں کی صورتحال پہلے سے زیادہ مخدوش ہو چکی ہے بدامنی لاقانونیت اور غنڈہ گردی انتہا پر ہے کوئٹہ شہر کی کیفیت یہ ہے کہ نماز مغرب کے بعد کوئی شہری گھر سے باہر جانے کی جرأت نہیں کر سکتا مری ایریا اور مینگل ایریا میں فوج کشی جاری ہے ابھی حال میں ممبور اور میرواہ میں نہتے بلوچوں کو گولیوں کا نشانہ بنایا گیا ہے اور ان کی داڑھیاں تراش دی گئی ہیں، مینگل علاقہ میں فوجی کارروائی پورے عروج پر ہے اور حالات لحظہ بہ لحظہ بدتر ہوتے جا رہے ہیں۔

(باقی صفحہ ۶ پر)

ارباب دانش

# تاثرات

## پیغامات

**ترجمان اسلام** کا نیا شمارہ ادارہ کے بلند حوصلوں، مخلصانہ عزائم اور نیک ارادوں کا آئینہ دار ہے۔ میں ادارہ کو حسن آغاز پر ہدیہ تبریک پیش کرتے ہوئے دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ ترجمان اسلام کو ترقی کی راہ پر گامزن رکھے اور ادارہ کے تمام ارکان کے ارادوں میں برکت فرماتے۔ مجھے امید ہے کہ جمعیۃ علماء اسلام کی تمام ضلعی اور ابتدائی شاخیں ترجمان اسلام کے حلقہ اشاعت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیں گی۔

مُفتی محمُود ۳۰-۱۱-۷۳

محترم قادری صاحب

سلام مسنون۔

ترجمان اسلام کا تازہ شمارہ دیکھ کر بے حد خوشی ہوئی۔ پہلے سے معیار بہت بلند ہے۔ اگر اس طریقہ سے کام جاری رہا تو انشاء اللہ ترجمانِ اسلام بہت جلد ملک کی صحافت میں اپنا صحیح مقام حاصل کر سکے گا۔ تمام احباب سے میری اپیل ہے کہ ترجمان اسلام کے ساتھ بھرپور تعاون فرمائیں اس کی اشاعت کی توسیع کے لیے جدوجہد کریں اور ارباب قلم بھی ادارہ سے تعاون فرماتے رہیں۔

سینیٹر محمد زمان خان اچکزئی

جنرل سیکرٹری جمعیۃ علماء اسلام بلوچستان

جمعیۃ علماء اسلام کے آرگن ترجمان اسلام کے دور جدید کا پہلا شمارہ دیکھا۔ دل باغ باغ ہو گیا۔ اس دور پر آشوب میں دینی رسائل کا وجود ناگزیر ہے۔ اللہ تعالیٰ ترجمان اسلام کے ہر شمارے کو پہلے سے زیادہ جاذب بنائے۔ ادارہ ترجمانِ اسلام، کو مبارک باد کے ساتھ میں جمعیۃ کے تمام اراکین اور بہی خواہوں سے عرض کروں گا کہ وہ بڑھ چڑھ کر توسیع اشاعت میں حصہ لیں خصوصاً جمعیۃ کی تمام زیریں و بالائی شاخوں اور لائبریریوں میں ترجمان کا ہونا نہایت ضروری ہے۔

عبدالکریم (بیر شریف)

نائب صدر جمعیۃ علماء اسلام پاکستان

عزیزم۔ اکرام القادری

سلام مسنون

جمعیۃ کی مرکزی مجلس شوریٰ کے اجلاس کے موقع پر ترجمان اسلام کا پہلا شمارہ نظر سے گزرا۔ بے ساختہ دعا نکلی۔ اللہ تعالیٰ آپ کی کوششوں کو بارآور کرے۔

دیگر علماء۔ اکابرین اور جماعتی ساتھیوں نے بھی ترجمان اسلام کو پسند کیا۔ مجھے امید ہے کہ آپ کی ان [illegible] کوششوں سے ترجمانِ اسلام ایک دن منفرد مقام حاصل کر لے گا۔ میں تمام جماعتی دوستوں کو توجہ دلاتا ہوں کہ وہ ترجمان کی اشاعت بڑھانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کریں۔ اللہ تعالیٰ نوجوانوں کے عزائم بلند اور حوصلے پختہ رکھے۔

نیاز احمد شاہ گیلانی ۳-۱۱-۷۳

ناظم عمومی جمعیۃ علماء اسلام پنجاب

ترجمان اسلام کا پہلا شمارہ نظر سے گذرا۔ دل سے بے اختیارہ دعاء خیر نکلی۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ "ترجمان اسلام" اسلام کی ترجمانی کا حق ادا کرتا رہے۔ اپنے اکابر حضرت مجدد الف ثانیؒ، حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ، حضرت شاہ اسمٰعیل شہیدؒ، قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی۔ حضرت حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ کے حالاتِ زندگی اور دیگر صلحاء متقدمینؒ کے اسوہ ہائے حسنہ سے رسالے کو مزین کرتے رہیں یہ امر واقعہ ہے کہ اکابر کی سیرتوں کا مطالعہ کرنے سے لوگوں کے احوال بدل جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے اسلاف کرامؒ کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

سیّد نفیس الحسینی

ترجمان اسلام کی دورِ حاضر میں اشاعت ملک و ملّت کی عظیم خدمت ہے۔ لہٰذا میں تمام حضرات سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ ترجمان سے مکمل تعاون کریں۔

عبدالواحد (کوئٹہ)

نائب امیر جمعیۃ علماء اسلام بلوچستان

برادرم۔ اکرام القادری صاحب

سلام و آداب۔

ترجمان اسلام کے نئے دور کا پہلا شمارہ دیکھ کر دل سے بے ساختہ آپ کے لیے دعائیں نکلیں۔ یہ شمارہ ترجمان اسلام کے روشن مستقبل کا پیش خیمہ ہے۔ میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو خوب سے خوب تر کی جستجو میں کامیاب و کامران فرمائے۔

احباب سے سلام۔ فقط والسلام۔

خاکپائے اکابر۔ زاہد الراشدی۔

سیکرٹری اطلاعات جمعیۃ علماء اسلام پنجاب

ترجمان اسلام کی نشاۃِ ثانیہ بہت مبارک اور احسن ہے۔ ایک مدت سے ارکان جمعیۃ کی تمنا تھی کہ ترجمان ایک جامعہ مجلّہ کی صورت میں شائع ہوا کرے۔ اکابر نے اپنے قابل قدر نوجوانوں پر جو اعتماد کیا ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ یہ ہر لحاظ سے مبارک ثابت ہو گا۔ ترجمان کے پہلے شمارہ سے یہی تاثرات ہوتے ہیں۔ اللہ حامی و ناصر ہو۔

محمد یعقوب شیخ ۳۰-۱۱-۷۳

ناظم جمعیۃ علماء اسلام ملتان شہر



# اعتدال کی راہ

تحریر: عمیر الہاشمی

سلامتی کا راستہ
عظیم جدوجہد
ایک تحریک

**پاکستان** میں بسنے والا کون سا ایسا شخص ہے جو یہ نہیں جانتا کہ یہ مملکت خداداد پاکستان صرف اور صرف **لِلّٰہِ الاَمر** کے لیے معرض وجود میں آئی تھی۔ لیکن یہ حقیقت بھی ہر کہ و مہ پر روشن ہے کہ اسلام کے نام پر وجود میں آنے والے اس ملک کی قیادت اور باگ ڈور ان لوگوں کے ہاتھوں میں آئی جو اسلام کی ابجد سے بھی واقف نہ تھے۔ جس کا منطقی اور لازمی نتیجہ یہی ہونا تھا کہ یہ ملک اپنے مقصدِ تخلیق سے محروم رہا یعنی اسلامی نظام کی بہاریں وہ لوگ نہ دیکھ سکے جنہوں نے اس مقصد کے لیے ہر قسم کی قربانیاں دی تھیں۔ عوامی سطح پر اسلامی نظام کے قیام کے لیے جہاں مختلف دینی، نیم سیاسی یا سیاسی تنظیمیں وجود میں آئیں۔ وہاں اسلامی نظامِ تعلیم کی ترویج و اشاعت کے بلند بانگ دعاوی کے ساتھ طلباء کی ایک تنظیم بھی وجود پذیر ہوئی۔ مسلمان طلباء، خوش کن نعروں اور اسلامی نظام کے نفاذ کے دعاوی سے مرعوب ہو کر مذکورہ تنظیم سے وابستگی کا اظہار کرنے لگے۔ وہ یہ سمجھنے میں حق بجانب تھے کہ شاید اس طرح کی تنظیم سے وابستہ ہو کر وہ اسلامی نظامِ تعلیم کے نفاذ کی کوششوں میں کامیاب ہو جائیں گے۔ لیکن شومئی قسمت کہ یہ مخلص اور فریب خوردہ طلباءٔ ایک عرصہ تک اس حقیقت کو سمجھنے سے قاصر رہے کہ مذکورہ تنظیم کے ڈانڈے ایک ایسی سیاسی جماعت سے ملتے ہیں۔ جو سلف صالحین رح کی راہ سے ہٹ کر اسلاف رح پر بے لاگ تنقید کے نام سے تجدّد پسندی کی پرچارک ہے۔ جس کا سب سے بڑا اصول یہ ہے کہ حکمتِ عملی کے نام سے سیاسی مفادات حاصل کرنے کے لیے اپنے ہی بیان کردہ اصولوں کو توڑا جائے۔ خواہ اس میں خدا اور رسول ؐ کے صریح احکامات کی خلاف ورزی ہی کیوں نہ ہو۔ حتیٰ کہ طلباء کی اس تنظیم کا ایک طبقہ بانیٔ جماعت کی انشاء پردازی سے مرعوب ہو کر تجدّد پسندانہ عقائد و افکار کو حرزِ جان سمجھ کر مطمئن ہو گیا۔

اس تنظیم کے نزدیک اب ہر وہ بات جائز ہو گی۔ جو اس کی پسندیدہ سیاسی جماعت کی ہدایت کے مطابق ہو اس کا لازمی نتیجہ یا ردِّ عمل یہ ہوا کہ طلباء کا ایک طبقہ ان کے اسلام پسندی کے دعاوی کو خالی خولی سمجھ کر حقیقی اسلام سے اظہار بیزاری کرنے لگا اور انہوں نے اپنے طور پر ایک ایسی تنظیم قائم کر لی جو خالصتاً مادی نظریات کی حامل ہو۔ روحانی اقدار اس تنظیم کی نظر میں پوچ نظر آنے لگیں۔ نتیجتاً مذکورہ بالا دونوں گروہ ایک دوسرے سے متصادم ہو گئے اور ہر طرف سے "ھل من مبارز" کا نعرہ بلند ہونے لگا۔

یونیورسٹیاں اور کالج غیر اسلامی نظریات کے نام پر اکھاڑے بن گئے۔ عام مسلمان طلباء اس تنظیم سے مایوس ہوتے گئے۔ چونکہ اس تنظیم کی سرگرمیاں اس کے دعاوی اور نعروں کے برعکس ثابت ہوئیں مختلف تعلیمی اداروں میں اس تنظیم کا تسلط قائم ہونے کے باوجود اس نے کوئی ایسا کارنامہ سرانجام نہ دیا جو دعاوی بلند بانگ پر پورا اترتا۔ کم از کم درجہ میں اتوار کی بجائے جمعہ کی چھٹی کے لیے بھی کوئی کوشش نہ کی گئی۔ ان لوگوں کا منتہائے مقصود محض الیکشن جیتنا بن گیا یہی وجہ ہے کہ ملک کا نظامِ تعلیم آج بھی انہی خطوط پر استوار ہے جو تقسیم سے قبل لارڈ میکالے نے متعین کئے تھے۔

ان حالات میں طلباء کی ایک ایسی تنظیم کی اشد ضرورت تھی جو سلف صالحین رح کی بیان کردہ تعبیرِ دین پر ایمان رکھتی ہو، جو بے لاگ تنقید کے نام سے اُمتِ مسلمہ کو اس کے شاندار ماضی سے کاٹ کر نہ رکھ دیتی ہو جس کا عمل اس کے دعاوی سے ہم آہنگ ہو۔ جو مسٹر اور مُلا کی تقسیم کو روا نہ رکھتی ہو۔ بلکہ انگریز کی قائم کردہ حدِ فاصل کو توڑ کر دونوں طبقوں کو ایک دوسرے کو قریب سے سمجھنے کے لئے پلیٹ فارم مہیا کرتی ہو۔ اکتوبر ۱۹۶۹ء کی وہ صبح کتنی مبارک اور حسین تھی جب پاکستان کے گوشے گوشے سے مسلمان طلباء (جو یونیورسٹیوں کالجوں اور دینی مدارس سے تعلق رکھتے تھے) لاہور میں جمع ہوئے لہٰذا ان بے لوث طلباء نے مشترکہ لائحہ عمل تیار کیا کہ وہ اس ملک میں اسلامی نظامِ تعلیم کے نفاذ، اسلام سے بے بہرہ طلباء کے سامنے اسلام کی صحیح تصویر پیش کرنے اور انگریز کی قائم کردہ مسٹر اور مُلا کی تقسیم کو ختم کرنے تک اپنی جدوجہد جاری رکھیں گے خواہ انہیں اس مقصد کے حصول کے لیے بڑی سے بڑی آزمائش سے گذرنا پڑے۔

دینی اور دنیوی اداروں میں تعلیم پانے والے طلباء کی اس تنظیم کو جمعیۃ طلباء اسلام کا نام دیا گیا۔ اپنے یوم تاسیس سے آج تک یہ تنظیم حصولِ مقاصد کے لیے مصروفِ عمل ہے اب حال یہ ہے کہ جمعیۃ طلباء اسلام کا دائرہ کار دن بدن وسیع ہو رہا ہے۔ ملک کا کونسا تعلیمی ادارہ ایسا ہو گا جہاں جمعیۃ طلباء اسلام وجود نہ رکھتی ہو۔ طلباء کی کثیر تعداد جمعیۃ سے وابستہ ہوتی جا رہی ہے اور وہ دن دور نہیں جب جمعیۃ طلباء اسلام اپنے مقصد میں کامیاب و کامران ہو۔

فضائے بدر پیدا کر فرشتے تیری نصرت کو
اتر سکتے ہیں گردوں سے قطار اندر قطار اب بھی

طلبا کی سرگرمیاں

# پچیس طالب علم رہنماؤں کی J-T-I میں شمولیت

## محمد اصغر اختر ڈگری کالج جڑانوالہ میں بھاری اکثریت سے صدر منتخب ہو گئے

### اجلاس مجلس عمومی پنجاب

جمیعۃ طلباء اسلام صوبہ پنجاب مجلس عمومی کا اجلاس مورخہ ۳۰ نومبر یکم دسمبر لاہور شیرانوالہ گیٹ میں ہوا اجلاس کی ۵ نشستیں ہوئیں۔ ہر نشست کی صدارت رانا شمشاد علی صاحب نے کی۔ ۲۳ شہر اجلاس پنجاب کے مختلف شہروں سے آئے ہوئے تھے پہلے اجلاس کی پہلی نشست میں تمام ضلعوں کی رپورٹ پیش کی گئیں اجلاس سے قائد جمعیۃ مفتی محمود احمد مولانا غلام ربانی صاحب اور سید نیاز احمد شاہ صاحب گیلانی نے خطاب کیا۔

دوسرے روز اجلاس سے مولانا عبید اللہ صاحب انور مولانا سعید احمد صاحب رائپوری اور محمد اسلوب صاحب قریشی نے خطاب کیا۔ آخری اجلاس میں مندرجہ قراردادیں اور فیصلے کئے گئے۔

### قراردادیں

۱۔ مولانا سعید احمد صاحب رائپوری کے نا با جان کی وفات پر تعزیت کی گئی۔ اور ان کی مغفرت کے لیے دعا کی گئی۔

۲۔ ندیم اقبال صاحب اعوان، اور ضیاء الرحمن صاحب فاروقی کی گرفتاری پر زبردست احتجاج کیا گیا اور حکومت سے مطالبہ کیا گیا کہ ان کو جلد از جلد رہا کیا جائے۔

۳۔ مسٹر حنیف رامے صاحب کے اس مضحکہ خیز شرمناک بیان کی پرزور مذمت کی گئی جس میں انہوں نے مولانا مفتی محمود اور حزب اختلاف کے دیگر رہنماؤں پر دشنام طرازی کی۔

### فیصلے

(۱) صوبہ پنجاب کے تمام اضلاع میں ضلعی کنونشن منعقد کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ پروگرام حسب ذیل ہے

| نمبر شمار | مقام | تاریخ | دن |
|---|---|---|---|
| ۱ | رحیم یار خاں | ۳ جنوری | جمعہ |
| ۲ | بہاولپور | ۴ " | ہفتہ |
| ۳ | بہاولنگر | ۵ " | اتوار |
| ۴ | ڈیرہ غازیخاں | ۹ " | جمعرات |
| ۵ | ملتان | ۱۰ " | جمعہ |
| ۶ | مظفر گڑھ | ۱۱ " | ہفتہ |
| ۷ | میانوالی | ۱۷ " | جمعہ |
| ۸ | سرگودھا | ۱۸ " | ہفتہ |
| ۹ | لائلپور | ۱۹ " | اتوار |
| ۱۰ | شیخوپورہ | ۲۳ " | جمعرات |
| ۱ | گوجرانوالہ | ۲۴ " | جمعہ |
| ۱۲ | سیالکوٹ | ۲۵ " | ہفتہ |
| ۱۳ | لاہور | ۲۶ " | اتوار |
| ۱۴ | گجرات | ۳۱ " | جمعہ |
| ۱۵ | جہلم | یکم فروری | ہفتہ |
| ۱۶ | راولپنڈی | ۲ " | اتوار |
| | کیمبل پور | " | " |
| ۱۰ | جھنگ | ۷ " | جمعہ |
| ۱۸ | ساہیوال | ۹ " | اتوار |

(۲) صوبائی دفتر لاہور ہی میں رہے گا۔

(۳) صدر جمعیۃ طلباء اسلام پنجاب کے صدر رانا شمشاد علی نے صوبائی ناظم نشر و اشاعت و خازن کے لیے علی الترتیب محمد یوسف ولی اللہی اور عبدالرؤف ربانی کا اعلان کر دیا ہے تمام شاخیں متعلقہ معاملات کے لیے انہی حضرات سے رابطہ قائم کیا کریں۔

### مجلس مذاکرہ

جمعیۃ طلباء اسلام ضلع ملتان کے زیر اہتمام ایوان ادب ملتان میں ایک مجلس مذاکرہ بعنوان "ہمارا مقصد زندگی" منعقد ہوئی۔ جس میں ضلع بھر سے تمام شاخیں شامل ہوئیں۔ صوبہ پنجاب کے صدر رانا شمشاد علی صاحب نے اجلاس کی صدارت کی۔ مندرجہ ذیل طلباء میں انعامات تقسیم کئے گئے۔

| | | |
|---|---|---|
| اوّل | راؤ منور احمد صاحب | بوریوالہ |
| دوم | سید خلیق الزمان صاحب ساجد | ملتان |
| سوم | نصیر الدین احرار | شجاع آباد |
| خصوصی | ایم اسلم شاد | ملتان |

### شمولیت

فورٹ عباس:۔ انجمن طلباء اسلام کے جنرل سیکرٹری مسٹر غلام مصطفےٰ نے انجمن سے مستعفی ہو کر جمعیۃ طلباء اسلام میں شمولیت کا اعلان کیا ہے۔

پنڈدادن خان:۔ مشہور طالب علم لیڈر جناب عارف محمود احمد جناب شجاعت حیات خاں پندرہ ساتھیوں سمیت جمعیت میں شامل ہوتے ہیں۔

راولپنڈی:۔ مندرجہ ذیل طالب علم رہنماؤں نے مختلف کالجوں سے جمعیۃ طلباء اسلام میں شمولیت کا اعلان کیا ہے۔

۱۔ محمد ریاض احمد محمد نعیم گارڈن کالج پنڈی

۲۔ محمد الیاس گورنمنٹ کالج راولپنڈی

۳۔ صغیر احمد غوری سی.بی سرسید کالج پنڈی

اسلام آباد:۔ گورنمنٹ کالج اسلام آباد کی سٹوڈنٹس یونین کے سابق صدر انفال احمد اور دو طالب علم رہنماؤں راؤ اشفاق احمد اور آصف علی صدیقی نے اپنے ساتھیوں سمیت جمعیۃ طلباء اسلام میں شمولیت کا اعلان کیا ہے۔

**اعتذار:** گورنمنٹ انٹر کالج خانپور سے جنرل سیکرٹری جمعیۃ طلباء اسلام سے منسلک نہیں ان کا نام گذشتہ شمارے میں محذوف سمجھا جائے۔